اُردو لازمی

نویں اور دسویں جماعت کے لیے

(نئے نصاب کے مطابق)

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ

جام شورو، سندھ

تیار کردہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جام شورو سندھ

منظور کردہ: محکمۂ تعلیم مدارس و خواندگی ادارۂ، نصاب جائزہ و تحقیق حکومت سندھ

بہ طور واحد درسی کتاب برائے صوبۂ سندھ

مراسلہ نمبر (ایس او) ای اینڈ ایل/کریکیولم ۲۰۱۴ بہ تاریخ ۶ فروری ۲۰۱۸

احمد بخش ناریجو

چیئرمین سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ

❀ ناہید اختر

❀ ڈاکٹر پروفیسر عتیق احمد جیلانی ❀ ڈاکٹر پروفیسر شاہ انجم ❀ ڈاکٹر عابدہ صدیقی

❀ محمد ناظم علی خان ماتلوی ❀ سید مسرت حسین رضوی ❀ نعیمہ منور

نظرِ ثانی کمیٹی

❀ پروفیسر محمد یاسین شیخ ❀ پروفیسر ڈاکٹر عتیق احمد جیلانی ❀ محمد ناظم علی خان ماتلوی

❀ ڈاکٹر عابدہ صدیقی ❀ ڈاکٹر شذرہ شر ❀ محمد وسیم مغل

❀ زاہدہ بنگش ❀ ناہید اختر سومرو ❀ عمر فاروق گبول

مدیر

ڈاکٹر شذرہ شر

پروف ریڈنگ: محمد ناظم علی خان ماتلوی — سرورق: ساجدہ یوسف شیخ

کمپوزنگ لے آؤٹ: بختیار احمد بھٹو

مطبوعہ: اکیڈمک آفسٹ پریس

قائدِ اعظمؒ نے فرمایا

"پاکستان اپنے نوجوانوں پر فخر کرتا ہے، خصوصاً طلبہ پر، جو ہر ضرورت کے وقت پیش پیش رہے ہیں۔ نوجوانو! تم مستقبل کے معمار ہو، تمھیں نظم وضبط سے کام لینا ہے اور تعلیم وتربیت حاصل کرنا ہے، تاکہ صبر آزما مسائل سے نبٹ سکو، مستقبل کی ذمے داریوں کا بوجھ بھی تمھارے کاندھوں پر ہے، لہٰذا اس کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

"نوجوانو! میں تمھیں پاکستان کا معمار سمجھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنی باری پر کیا کچھ کر دکھاتے ہو۔ اس طرح رہو کہ کوئی تمھیں گم راہ نہ کرسکے۔ اپنی صفوں میں اتحاد اور مضبوطی پیدا کرو۔ تمھارا اصل کام کیا ہے؟ اپنی ذات سے وفاداری، اپنے والدین سے وفاداری، اپنے ملک سے وفاداری اور اپنی تعلیم پر پوری توجہ"۔

(۱۳/ اپریل ۱۹۴۸ء، اسلامیہ کالج، پشاور)

اظہارِ تشکّر

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، ورثائے مُصنفین وشعرائے کرام اور مختلف اداروں کا شکر گزار ہے کہ اُنھوں نے اس مجموعے میں طبع کردہ افسانوں، مضامین اور خطوط وغیرہ کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

محترم اساتذۂ کرام!

درسی کتاب برائے جماعت نہم و دہم تعلیمی نصاب ۲۰۰۶ کے عین مطابق لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا مقصد طلبہ میں دانش اور مہارت پیدا کرنا ہے تاکہ اُنھیں مطالعے کی عادت ہو اور وہ اچھے انسان اور مہذب شہری بن سکیں۔

یہ درسی کتاب اردو ادب کا شان دار نمونہ ہے۔ اس کتاب میں تمام مصنّفین کا تعارف اور حالاتِ زندگی بھی دیے گئے ہیں۔ جو صرف طلبہ کی معلومات بڑھانے کے لیے ہیں ان میں سے امتحان نہ لیا جائے اسی خیال کے مدِنظر مشق میں تعارف، حالات زندگی سے کوئی بھی سوال نہیں دیا گیا ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ میں سیکھنے کا رجحان مختلف طریقوں سے ہوتا ہے لیکن سکھانے کا سب سے زیادہ فعّال طریقہ انھیں ایسی سرگرمیوں میں مصروف رکھنا ہے جو کہ متعلقہ تصوّرات کو سمجھنے، ان کی صلاحیتوں مع اقدار کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہو سکیں۔ چناں چہ حصولِ مقصد کے لیے ہر سبق میں مواد سے متعلق سرگرمیاں شامل کی گئی ہیں۔ ضروری ہے کہ بچے اپنی صلاحیتوں اور بنیادی ضرورتوں؛ جیسے: لکھنا، پڑھنا، سننا، بولنا اور سمجھنا کی مدد سے ان سرگرمیوں سے مہارت حاصل کریں۔ عین ممکن ہے کہ طُلبہ متعلقہ مواد کو بروئے کار لاتے ہوئے کتاب میں شامل تصورات کی مزید تفہیم کر سکیں۔ چوں کہ تمام بچے کلیدی تصورات و خیالات یک بار نہیں سمجھ سکتے لہٰذا انھیں مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے ہر سبق کے اختتام پر موضوعی اور معروضی مشقیں رکھی گئی ہیں۔ یہ مشقیں بچوں کی فہمی صلاحیتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے بالخصوص تیار کی گئی ہیں تاکہ وہ کلیدی تصورات اور ہنر میں مزید نکھار لا سکیں۔

تدریسی عمل شروع کرنے سے قبل آپ اساتذہ اس کتاب کے متن اور اندرونی صفحات کے ذیلی حاشیے پر موجود ہدایات بہ غور پڑھ لیں۔ بہ حیثیت اُستاد یقیناً آپ کے پاس اپنے بہت سے خیالات، مشاہدات، تجربات اور معلومات ہوں گی اور لازماً آپ اپنے طلبہ اور ان کے ماحول سے زیادہ آگاہ ہوں گے، اس لیے دورانِ تدریس آپ اپنے تناظر میں دیگر متعلقہ مثالیں بھی شامل کر لیجیے۔

کتاب کے آخر میں تمام اسباق کی فرہنگ دی گئی ہے جو عین متن کے مطابق ہے۔ ایک لفظ کے کئی معانی ہیں مگر اس کتاب میں وہی معانی دیئے گئے ہیں جو سبق کو سمجھنے میں مدد کر سکیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ تدریس کے ہر پہلو پر مکمل توجہ دیں۔ طلبہ کتاب میں موجود سرگرمیوں کو انجام دیں جب کہ آپ کلاس میں ان کے کام کا جائزہ لیجیے اور بھرپور حوصلہ افزائی کیجیے۔

عملی سرگرمیاں نہ صرف معلومات حاصل کرنے بلکہ مہارت مع اقدار میں معاون ثابت ہوں گی اور اُن کی لسانی مہارتوں کو مستحکم کرنے میں بھی کام آئیں گی۔

اُمید کرتے ہیں کہ طُلبہ آپ کی تدریسی کاوشوں اور اس کتاب سے بھرپور فائدہ حاصل کر سکیں گے۔

مؤلفین و مرتبین

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مولانا شبلی نعمانی

ولادت: ۱۸۵۷ء   وفات: ۱۹۱۴ء

محمد شبلی نام اور شمس العلماء خطاب تھا۔ نعمانی، امام اعظم ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت سے عقیدت کی وجہ سے خود اضافہ کیا۔ والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا۔ اعظم گڑھ (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ کے مدرسے سے حاصل کی۔ آپ کی لیاقت کی وجہ سے سرسید نے علی گڑھ کالج میں عربی کا استاد مقرر کیا۔ یہیں آپ کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہوا۔ آپ نے مصر، ترکی، روم اور شام کے سفر کیے اور وہاں کے کتاب خانوں سے مواد حاصل کیا۔ ترکی کے سلطان نے آپ کو ''تمغائے مجیدی'' عطا کیا۔

مولانا شبلی شاعر، ادیب، فلسفی، قانون دان، ماہرِ تعلیم، عالمِ دین اور مؤرّخ تھے۔ آپ کی تصانیف میں ''المامون، سیرت النعمان، الفاروق، الغزالی، سوانح مولانا روم، مقالاتِ شبلی اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' جیسی بلند پایہ کتابیں ہیں۔

اخلاقِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وآلہٖ وَسَلَّم

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) کوئی بات یا پیغام سن کر انھی لفظوں میں دہرا سکیں۔ (۲) ادب پارے کا خلاصہ لکھ سکیں۔ (۳) پانچ سے سات منٹ کی تقریر درست لب و لہجے سے کر سکیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ زوجیت میں رہی تھیں، زمانۂ آغازِ وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان الفاظ میں تسلی دیتی تھیں: ''خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غم گین نہ کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلۂ رحمی کرتے ہیں، مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔''

اُمہات المؤمنین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کیے ہیں۔ فرماتی ہیں: ''آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کسی غلام، لونڈی، عورت، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی کی درخواست رد نہیں فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں،

ہنستے اور مسکراتے ہوئے۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں
ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اور
آغازِ نبوت سے آخر تک کم از کم ۲۳ برس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس
میں رہے تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اُن سے آپ صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم کے اَخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا: ''آپ خندہ جبیں، نرم خُو،
مہربان طبع تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔'' کوئی برا کلمہ منھ سے کبھی نہیں نکالتے
تھے۔ عیب جُو اور تنگ گیر نہ تھے۔ اپنے نفس سے تین چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
نے بالکل دور کر دی تھیں: ''بحث و مباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات
مطلب کی نہ ہو، اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے:
کسی کو برا نہیں کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات کی
ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔ کوئی
دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا، چپ سُنا کرتے۔ دوسروں کے منھ سے
اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور
نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتہً آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھتا تو مرعوب
ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے، آشنا ہوتا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرنے لگتا۔

ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ جو گویا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے
آغوش پَرورَدہ تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نرم خُو تھے، سخت مزاج
نہ تھے۔ کسی کی توہین روا نہ رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ تشکر فرماتے تھے۔
کھانا جس قسم کا سامنے آتا، تناوُل فرماتے اور اُس کو بُرا بھلا نہ کہتے۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جن کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں خدمتِ
اَقدس میں حاضر ہوا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسکرا نہ دیا ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے،
کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے
خود سلام و مصافحہ کرتے، کوئی شخص جُھک کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کان میں کچھ
بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رُخ نہ پھیرتے، جب تک وہ خود منھ نہ
ہٹالے۔ مصافحے میں بھی یہی معمول تھا۔ یعنی کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ
چھوڑ دے، اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے
زانو ہم نشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے۔
واپس آنے لگے تو انھوں نے اپنے صاحب زادے قیس رضی اللہ عنہ کو ساتھ کر دیا کہ آں حضرت
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہم رکاب جائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے
قیس رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو لو۔'' انھوں نے بے ادبی
کے لحاظ سے تأمُّل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہو لو یا گھر
واپس جاؤ۔ وہ واپس چلے آئے۔

ایک دفعہ نجاشی کے ہاں سے ایک سفارت آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
نے اُس کو اپنے ہاں مہمان رکھا اور خود بہ نفسِ نفیس مہمان داری کے تمام کام انجام
دیے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دیں گے۔ ارشاد
ہوا کہ اِن لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے، اس لیے میں خود

اِن کی خدمت گزاری کرنا چاہتا ہوں۔

عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو اصحابِ بدر میں تھے، ان کی بینائی میں فرق آ گیا تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ میں اپنے محلّے کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا۔ دوسرے دن صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اُن کے گھر گئے اور دروازے پر ٹھہر کر اِذن مانگا۔ اندر سے جواب آیا تو گھر میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ جگہ بتا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی۔

ابوشعیب رضی اللہ عنہ ایک انصاری تھے۔ ان کا غلام بازار میں گوشت کی دکان رکھتا تھا۔ ایک دن وہ خدمتِ اقدس میں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقے میں تشریف فرما تھے اور چہرے سے بھوک کا اثر پیدا تھا۔ ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے جا کر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کرو۔ کھانا تیار ہو چکا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے درخواست کی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ قدم رنجہ فرمائیں۔ کل پانچ آدمی تھے۔ راہ میں ایک اور شخص ساتھ ہو لیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابوشعیب رضی اللہ عنہ سے کہا: ''یہ شخص بے کہے ساتھ ہو لیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے ورنہ رخصت کر دیا جائے۔'' انھوں نے کہا: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو بھی ساتھ لائیں۔''

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اُسی کے سامنے اُس کا تذکرہ

نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب عرب کے دستور کے مطابق زعفران لگا کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو لوگوں سے کہا کہ اُن سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں۔

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اچھا آنے دو۔'' وہ اپنے قبیلے کا اچھا آدمی نہیں تھا۔ لیکن جب وہ خدمتِ مبارک میں حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اس سے گفتگو فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس پر تعجب ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت فرمایا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تو اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے، جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے مِلنا جُلنا چھوڑ دیں۔''

سلام میں پیش دستی فرماتے۔ جب چلتے تو مرد، عورتیں، بچے جو سامنے آتے اُن کو سلام کرتے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم راستے سے گزر رہے تھے، ایک مقام پر مسلمان اور منافق و کافر یک جا بیٹھے ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب کو سلام کیا۔

(ماخوذ از: ''سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'' جلد دوم)

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا زمانۂ آغازِ وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کن الفاظ میں تسلّی دیتی تھیں؟

(ب) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا اخلاق بیان فرمائے؟

(ج) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کیا کرتے تھے؟

(د) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں؟

(ہ) حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا درخواست کی؟

سوال۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت زوجیت میں رہی تھیں:

(۱) ۱۵برس (۲) ۲۰برس

(۳) ۲۵برس (۴) ۳۰برس

(ب) سبق ''اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' پڑھ کر مجموعی طور پر جذبہ پیدا ہوتا ہے:

(۱) پہلے خود سلام کرنے کا (۲) اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کا

(۳) بھوکوں کو کھانا کھلانے کا (۴) نرم لہجے میں بات کرنے کا

(ج) جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا دیا کرتے تھے:

(۱) محبت کی وجہ سے (۲) رشتے داری کی وجہ سے

(۳) دوستی کی وجہ سے (۴) مروّت کی وجہ سے

(د) سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے کا نام تھا:

(۱) قیس (۲) خالد (۳) عمر (۴) ابوقتادہ

(ہ) ''مصافحہ'' کرنے کا مطلب ہے:

(۱) سلام کرنا (۲) گلے ملنا

(۳) مسکرا کے ملنا (۴) ہاتھ ملانا

(و) ابوشعیب رضی اللہ عنہ کے غلام کی بازار میں دکان تھی:

(۱) گوشت کی (۲) سبزی کی

(۳) پھلوں کی (۴) کپڑے کی

سوال۳: درج ذیل خالی جگہیں درست الفاظ سے پُر کیجیے:

(الف) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق .... سے بڑھ کر کسی نے تفصیل سے نہیں بیان کیے ہیں۔

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں .... نہیں لیا۔

(ج) اپنے نفس سے .... چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل دُور کر دی تھیں۔

(د) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم .... میں پیش دستی فرماتے۔

(ہ) ایک دفعہ .... کے ہاں سے سفارت آئی۔

سوال۴: اس سبق کا خلاصہ سو الفاظ میں لکھیے۔

سوال ۵: درست بیان پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ ( )

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ ( )

(ج) حضرت امام حسنؓ نے حضرت علیؓ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا۔ ( )

(د) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا معمول تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام کرتے۔ ( )

(ہ) ایک صاحب خوش بو لگا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ( )

سرگرمی

طلبہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاقِ حَسَنہ کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال کا چارٹ تیار کر کے کلاس میں آویزاں کریں۔

❋ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حالاتِ زندگی، اعمال، اقوال اور احکامِ مبارکہ بیان کیے جاتے ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) یہ سبق پڑھاتے ہوئے سیرتِ مبارکہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مزید پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔ (۲) اسکول لائبریری سے کتابیں منگوا کر طلبہ کو سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطالعے کی ترغیب دیجیے۔ (۳) چند کثیر الانتخابی سوالات کے جواب براہِ راست سبق میں موجود نہیں۔ یہ سوالات طلبہ میں اعلیٰ ذہنی سطح کی تفہیمی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے شامل کیے گئے ہیں۔ لہٰذا عبارت فہمی کی تدریسی عملی حکمتیں استعمال کرتے ہوئے طلبہ کو آمادہ کیجیے کہ وہ ان سوالات کے جواب کے لیے غور و فکر کریں۔
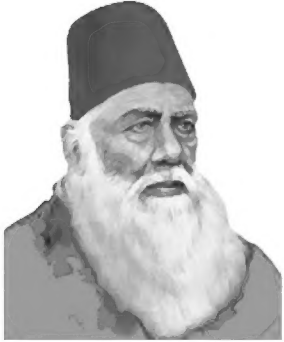
سر سیّد احمد خان

ولادت: ۱۸۱۷ء وفات: ۱۸۹۸ء

سر سیّد احمد خان دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سیّد محمد متقی تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کی۔ پھر قرآن مجید، حدیثِ پاک اور فقہ کی تعلیم اٹھارہ سال کی عمر میں مکمل کر لی۔ اس کے بعد مُنصِفی کا امتحان پاس کر کے بہ حیثیت مُنصِف ملازم ہو گئے اور ترقی کرتے کرتے جج کے عہدے تک پہنچ گئے۔

آپ نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز اپنے اخبار ''سید الاخبار'' سے کیا۔ مسلمانوں کے اَخلاق کی اصلاح کے لیے ایک رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' نکالا۔ نیز مسلمانوں کی تعلیم کے لیے علی گڑھ میں ایک اسکول قائم کیا جو ترقی پا کر ایک عظیم الشان یونی ورسٹی بن گیا۔

سر سیّد ایک بلند پایہ نثر نگار، اخبار نویس اور عالم تھے۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ نے آپ کو ''جوّاد الدّولہ'' اور ''عارفِ جنگ'' کے خطابات دیے۔ انگریز حکومت نے بھی آپ کو ''سر'' کا خطاب دیا۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں، جن میں ''آثار الصّنادید، خطباتِ احمدیہ، اسبابِ بغاوتِ ہند اور تاریخِ سرکشیٔ بجنور'' بہت مشہور ہیں۔

اُمّید کی خوشی

حاصلاتِ تعلّم : یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) جملے کے اجزائے ترکیبی کی تعریف اور تقطیع کرسکیں۔ (۲) تحریر کا مرکزی خیال بیان کرسکیں۔ (۳) ادب پارے کا خلاصہ مرکزی خیال کے حوالے سے لکھ سکیں۔ (۴) دیے گئے عنوان پر مضمون لکھ سکیں۔

اے آسمانوں کی روشنی اور اے ناامید دلوں کی تسلّی، اُمید! تیرے ہی شاداب اور سرسبز باغ سے ہر ایک محبت کا پھل ملتا ہے۔ تیرے ہی پاس ہر درد کی دوا ہے۔ تجھی سے ہر ایک رنج میں آسودگی ہے۔ عقل کے درمیان جنگلوں میں بھٹکتے بھٹکتے تھکا ہوا مسافر تیرے ہی گھنے باغ کے سرسبز درختوں کے سائے کو ڈھونڈتا ہے۔ وہاں کی ٹھنڈی ہوا، خوش الحان جانوروں کے راگ، بہتی نہروں کی لہریں اس کے دل کو راحت دیتی ہیں۔ اس کے مرے ہوئے خیالات کو پھر زندہ کرتی ہیں۔ تمام فکریں دل سے دُور ہوتی ہیں اور دُور دراز زمانے کی خیالی خوشیاں سب آموجود ہوتی ہیں۔

دیکھ! نادان، بے بس بچّہ گہوارے میں سوتا ہے۔ اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے اور اس گہوارے کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچّے میں ہے اور زبان سے اس کو یوں لوری دیتی ہے: سو رہ میرے بچّے سو رہ، اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سو رہ۔ اے میرے دل کی کونپل سو رہ، بڑھ اور پھل پھول، تجھ پر کبھی خزاں نہ آنے پائے۔ تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ ٹوٹے۔ کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو نہ آوے۔ کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی، تو

نہ دیکھے۔ سو رہ میرے بچّے سو رہ۔ میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سُرور میرے بچّے سو رہ۔ تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ہوگا۔ تیری شہرت، تیری لیاقت، تیری محبت جو تُو ہم سے کرے گا، آخرکار ہمارے دل کو تسلّی دے گی۔ تیری ہنسی ہمارے اندھیرے گھر کا اُجالا ہوگی۔ تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دُور کریں گی۔ تیری آواز ہمارے لیے خوش آیند راگنیاں ہوں گی۔ سو رہ میرے بچّے سو رہ۔ اے ہماری امیدوں کے پودے سو رہ۔ بولو، جب اس دنیا میں ہم تم سے جدا ہو جاویں گے تو تم کیا کرو گے۔ تم ہماری بے جان لاش کے پاس کھڑے ہو گے۔ تم پوچھو گے اور ہم کچھ نہ بولیں گے۔ تم روؤ گے اور ہم کچھ رحم نہ کریں گے۔ اے میرے پیارے رونے والے! تم ہمارے ڈھیر پر آ کر ہماری روح کو خوش کرو گے۔ آہ! ہم نہ ہوں گے اور تم ہماری یادگاری میں آنسو بہاؤ گے۔ اپنی ماں کا محبت بھرا چہرہ، اپنے باپ کی نورانی صورت یاد کرو گے۔ آہ! ہم کو یہی رنج ہے کہ اُس وقت ہماری محبت یاد کر کر تم رنجیدہ ہو گے۔ سو رہ میرے بچّے سو رہ، سو رہ میرے بالے سو رہ۔

یہ اُمید کی خوشیاں ماں کو اُس وقت تھیں جب کہ بچّہ غُوں غاں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور امّاں امّاں کہنا سیکھا، اس کی پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی۔ آنسوؤں سے اپنی ماں کی آتشِ محبت کو بھڑکانے کے قابل ہوا۔ پھر مکتب سے اس کو سروکار پڑا۔ رات کو اپنی ماں کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غم زدہ دل سے سنانے لگا اور جب کہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اُٹھ کر ہاتھ منھ دھو کر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا اور اپنے بے گناہ دل، بے گناہ زبان سے

بے رِیا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا، تو امید کی خوشیاں اور کس قدر زیادہ ہوگئیں۔ اس کے ماں باپ اس معصوم سینے سے سچّی ہم دردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں۔

آہ! ہماری پیاری اُمید! تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے ساتھ رہتی ہے۔

دیکھ! وہ بے گناہ قیدی [1] اندھیرے کنوئیں میں سات تہ خانوں میں بند ہے۔ اس کا سورج کا سا چمکنے والا چہرہ زرد ہے۔ بے یار و دیار، غیر قوم، غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھوں میں قید ہے۔ بڈّھے باپ کا غم اس کی روح کو صدمہ پہنچاتا ہے۔ قید خانے کی مصیبت، اس کی تنہائی، اس کا گہرا اندھیرا اور اس پر اپنی بے گناہی کا خیال اس کو نہایت ہی رنجیدہ رکھتا ہے۔ اس وقت کوئی اس کا ساتھی نہیں ہے۔ مگر اے ہمیشہ زندہ رہنے والی اُمید! تجھی میں اس کی خوشی ہے۔

(ماخوذ از: مضامینِ سرسیّد)

[1] مراد حضرت یوسف علیہ السّلام۔

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) مصنف نے ''اُمید'' کو خوشی کیوں قرار دیا ہے؟

(ب) ماں بچے کو کیا لوری دیتی ہے؟

(ج) بے گناہ قیدی رنجیدہ کیوں تھا؟

(د) اُمید ہماری زندگی میں کیا تبدیلی لا سکتی ہے؟

(ہ) آپ کی کون سی اُمید آپ کے والدین کے لیے خوشی کا باعث ہے؟

سوال۲: اس سبق کا خلاصہ سو الفاظ میں لکھیے۔

سوال۳: درج ذیل الفاظ و تراکیب اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

محنت کا پھل - آتشِ محبت - درد کی دوا - خوش الحان - بے ریا خیال - کٹھن گھڑی

سوال۴: ذیل کے جملوں کی تشریح مع حوالۂ سیاق و سباق کیجیے:

(الف) دیکھ! وہ بے گناہ قیدی اندھیرے کنوئیں میں سات تہ خانوں میں بند ہے۔ اس کا سورج کا سا چمکنے والا چہرہ زرد ہے۔ بے یار و دیار، غیر قوم، غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھوں میں قید ہے۔

(ب) دیکھ! نادان، بے بس بچّہ گہوارے میں سوتا ہے۔ اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے اور اس گہوارے کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچّے میں ہے۔

سوال۵: سبق میں سے پانچ تراکیبِ لفظی تلاش کرکے اُن کے معنی لکھیے۔

سوال۶: درج ذیل جملوں میں سے اسم، فعل اور حرف کی نشان دہی کیجیے:

۱-اسلم نے چائے پی۔ ۲-حامد کتاب پڑھ رہا ہے۔

۳-وہ کراچی میں رہتی ہے۔

(۱) طلبہ سبق پڑھ کر اس کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

(۲) طلبہ سرسید پر ڈھائی سو الفاظ پر مشتمل ایک مضمون لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو بہ طور صنفِ ادب مضمون کی تعریف سے آگاہ کیجیے۔ (۲) طلبہ کو جملے کے اجزائے ترکیبی مثالوں سے واضح کر کے بتائیے۔ نیز ادب پاروں میں نظم و نثر کا فرق بتائیے۔ (۳) انشاپردازی کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔

خواجہ الطاف حسین حالؔی

ولادت: ۱۸۳۷ء   وفات: ۱۹۱۴ء

الطاف حسین نام، حالؔی تخلّص اور شمسُ العُلماء خطاب تھا۔ والد کا نام خواجہ ایزد بخش انصاری تھا۔ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ آپ نے پہلے قرآن پاک حفظ کیا، پھر فارسی اور عربی کی تعلیم پائی۔ سترہ برس کی عمر میں شادی ہوگئی۔ پھر آپ دہلی چلے گئے، جہاں مرزا غالبؔ اور نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ کی صحبت مُیسّر آئی۔ اس کے بعد لاہور آ گئے اور پنجاب بک ڈپو میں ملازمت اختیار کرلی۔ وہاں انھوں نے کتب کے اردو تراجم پر نظرِ ثانی اور دُرستی کا کام کیا۔ اس کام سے حالؔی کو انگریزی زبان اور اس کے ادب سے آگاہی حاصل ہوئی۔ یہیں انھوں نے مولانا محمد حسین آزادؔ کے ساتھ مل کر موضوعاتی مشاعروں کی بنیاد ڈالی، جن میں شاعر مختلف موضوعات پر نظمیں لکھ کر لایا کرتے تھے۔ انھی مُشاعروں میں حالؔی نے ''برکھا رُت، رحم و انصاف، حُبِّ وطن اور اُمید'' کے عنوان سے نظمیں پڑھیں۔ حالؔی نے سر سید کی تحریک پر اپنا مشہور مُسدّس ''مدّ و جزرِ اسلام'' بھی لکھا جو مُسدّسِ حالؔی کے نام سے مشہور ہوا۔ ''حیاتِ سعدی، مقدمۂ شعروشاعری، یادگارِ غالبؔ اور حیاتِ جاوید''، حالؔی کی اہم نثری تصانیف ہیں۔

قومی ہم دردی

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) جملۂ اسمیہ اور جملۂ فعلیہ میں امتیاز کرسکیں اور ترکیبِ نحوی کرسکیں۔ (۲) اپنی گفتگو یا اظہارِ خیال کے لیے موزوں الفاظ، تراکیب اور جملے استعمال کرسکیں۔ (۳) ادب پارے اور مضمون کے بنیادی نکات درج کرسکیں۔

'ہم دردی' کا لفظ 'ہم' اور 'درد' دو فارسی کلموں سے مُرکّب ہے۔ 'درد' کے معنی دکھ اور تکلیف کے ہیں اور 'ہم' کا لفظ اشتراک کے معنی دیتا ہے۔ پس 'ہم دردی' کے لفظ سے دو یا کئی شخصوں کا دُکھ اور تکلیف میں شریک ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ خواہ ارادے سے ہو، خواہ بے ارادہ۔ مگر آج کل کے استعمال میں ہم دردی سے وہ شرکت مراد لی جاتی ہے جو ارادے سے کی جائے، مثلاً: ایک شخص بیمار ہے اور دوسرا رحم یا محبت سے اُس کی دوا دارو کرتا ہے، تو دوسرے کو پہلے کا ہم درد کہیں گے۔

اگر یہ بات سچ ہے تو یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ تمام انسان ایک دوسرے کی ہم دردی کے ذمّے دار ہیں اور ہر شخص مصیبت کی حالت میں اپنے ہم جنسوں سے مدد لینے کا اِستحقاق رکھتا ہے۔ کون ہے جو اس بات سے انکار کرے گا کہ بھائی کو بھائی سے ایک تعلق ہے جو ایک کو دوسرے کی ہم دردی پر مجبور کرتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُن بھائیوں کی اولاد میں اُس ہم دردی کا کوئی حصہ باقی نہ رہے۔ بے شک جب تک کہ باپ کے خون کا قطرہ اولاد کی رگ و پے میں باقی ہے، ہم دردی کا رشتہ کبھی مُنقطَع نہیں ہوسکتا۔

ہم دردی حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے۔ بچوں کو ایک مدت تک پرورش کرنا، اُن کے لیے غذا بہم پہنچانا، تا بہ مقدور ان کو دشمن کے حملے سے بچانا، سب جانوروں کی عام خصلت ہے۔ اس کے سوا عام ہم دردی بھی اُن میں دیکھی گئی ہے۔ جنگلی بطخوں کا غول جب کسی کھیت میں اُترتا ہے اور وہاں کسی طرح کا کھٹکا نہیں پاتا تو سب کے سب ایک صف باندھ کر دانہ چگتے ہیں، مگر اُن میں سے ایک ایک بطخ نوبت بہ نوبت اپنے ہم جنسوں کی چوکسی کرتی ہے، اور جب تک پہرا دیتی رہتی ہے ایک دانہ نہیں کھاتی۔ چیونٹا جب کہیں اناج کا ذخیرہ پاتا ہے تو کبھی تن پروری نہیں کرتا، بلکہ اُسی وقت اپنے ہم جنسوں کو خبر کر دیتا ہے اور تھوڑی سی دیر میں لاکھوں چیونٹوں کو وہاں جمع کر دیتا ہے۔ اسی طرح اور مثالیں بھی پائی جاتی ہیں۔

اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم دردی انسان کی طبیعت میں بھی ضرور رکھی گئی ہے۔ کیوں کہ جو خوبیاں قدرت نے اور حیوانات کو عنایت کی ہیں، انسان اُن کا زیادہ تر مستحق ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم دردی ایک قدرتی خاصیت ہے جو بغیر تعلیم اور اِکتساب کے انسان کی طبیعت میں خود بہ خود جوش مارتی ہے، کیوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اور حیوانات میں، جو عقلی تعلیم سے بالکل محروم ہیں، اس کا وجود ہرگز نہ پایا جاتا۔

ہم دردی انسان میں اس لیے پیدا کی گئی ہے کہ کارخانۂ دنیا کا انتظام درہم برہم نہ ہونے پائے۔ کیوں کہ انسان اپنی ضروریات میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ ایک کی گاڑی دوسرے کی مدد کے بغیر نہیں چل سکتی۔ پس اگر انسانوں میں ہم دردی نہ ہو تو یہ تمام کارخانہ دَرہم بَرہم ہو جائے۔

ہمارے ہم وطن بھی ہم دردی کی اصل سے بے خبر نہیں ہیں۔ کنویں بنوانے، پیاؤ بٹھانی، سبیل لگانی، محتاجوں کی خبر لینی، بیواؤں کی مدد کرنی، بیاہ شادیوں میں شریک

ہو کر ایک دوسرے کا کام بٹوانا، بیمار کی عیادت، میّت کی تعزیت اور اسی طرح اور بہت سی باتیں ہمارے ملک میں بھی پائی جاتی ہیں۔ بعض اوقات یہ قدرتی خصلت جس کا نام ہم دردی ہے، مشق اور تعلیم سے تمام قوم میں پھیل جاتی ہے اور اس کا اثر کسی قدر تیز ہو جاتا ہے۔

میونسپل کمیٹیاں، جو سرکار نے جا بہ جا شہروں اور قصبوں میں قائم کی ہیں، اگر پورا پورا اپنا فرض ادا کریں اور جس غرض کے لیے مقرّر ہوئی ہیں، اُسی کو مدِّ نظر رکھیں تو یہ بھی ہم دردی کے اچھے نمونے ہیں۔

زمانہ بھی طرح طرح سے ہم کو ہم دردی کی طرف مائل کر رہا ہے۔ مذہب بھی ہم کو بہت زور سے ہم دردی کی طرف کھینچتا ہے۔ ہندو، مسلمان اگر اپنی مذہبی کتابیں دیکھیں گے تو اُن کو ہم دردی کی ترغیب سے مالا مال پائیں گے۔

قوم ایک درخت کی مثال رکھتی ہے، جس کی ٹہنیاں اُس کے مختلف خاندان ہیں اور اُس کے پتّے ہر ایک خاندان کے مرد و عورت۔ جب تک درخت کی جڑ ہری ہے، اُس کی ٹہنیاں اور پتّے بھی ہرے ہیں۔ لیکن جب جڑ کو پانی نہ پہنچے گا، ٹہنیاں اور پتّے سب سوکھ جائیں گے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری کوشش سے تمام ملک کی حالت کیوں کر بدل سکتی ہے، ان کی خدمت میں یہ عرض کیا جاتا ہے کہ صرف دو خیال ہیں جنھوں نے دنیا کے تنزل اور ترقی پر بہت کچھ اثر کیا۔ ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ پہلے خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ نہ ہوا اور دوسرے خیال نے دنیا میں بڑے بڑے عجائبات ظاہر کیے۔

(ماخوذ از: ''کلیاتِ نثرِ حالی'' جلد دُوم)

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ''ہم دردی'' کا لفظ کن کلموں سے مرکّب ہے؟

(ب) ''ہم دردی'' سے کیا مراد ہے؟

(ج) انسان میں اگر ہم دردی کا جذبہ نہ ہو تو کیا ہوگا؟

(د) کن خیالات نے دنیا کے تنزل اور ترقی پر اثر کیا ہے؟

(ہ) حیوانات میں ہم دردی کس طرح پائی جاتی ہے؟ کوئی دو مثالیں دیجیے۔

سوال۲: درجِ ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) ہم دردی ایک خاصیت ہے:

(۱) قدرتی (۲) مصنوعی

(۳) نمائشی (۴) تجارتی

(ب) اپنی ضروریات میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں:

(۱) پرندے (۲) انسان

(۳) چوپائے (۴) فرشتے

(ج) ہمارے ہم وطن بھی اصل سے بے خبر نہیں ہیں:

(۱) ہم دردی کی (۲) خود غرضی کی

(۳) مجبوری کی (۴) دوستی کی

(د) زمانہ بھی طرح طرح سے ہم کو مائل کر رہا ہے:

(۱) دوستی کی طرف (۲) ہم دردی کی طرف

(۳) مروّت کی طرف (۴) زندگی کی طرف

(ہ) قوم ایک مثال رکھتی ہے:

(۱) درخت کی (۲) زمین کی

(۳) پانی کی (۴) ہوا کی

سوال۳: درج ذیل خالی جگہیں درست لفظ لکھ کر پُر کیجیے:

(الف) جب تک درخت کی جڑ ہری ہے، اُس کی .... اور پتّے بھی ہرے ہیں۔

(ب) جو خوبیاں قدرت نے حیوانات کو عنایت کی ہیں، انسان اُن کا زیادہ تر .... ہے۔

(ج) انسانوں میں ہم دردی نہ ہو تو یہ تمام کارخانہ .... ہو جائے۔

(د) مذہب بھی ہم کو بہت زور سے .... کی طرف کھینچتا ہے۔

(ہ) جب جڑ کو پانی نہ پہنچے گا، ٹہنیاں اور پتّے سب .... جائیں گے۔

سوال۴: درست بیان پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) ''ہم دردی'' کے لفظ سے دو یا کئی شخصوں کا دُکھ اور تکلیف میں شریک ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ( )

(ب) ہم دردی ایک مصنوعی خاصیت ہے۔ ( )

(ج) ہم دردی حیوانات میں نہیں پائی جاتی۔ ( )

(د) ایک انسان کی گاڑی دوسرے کی مدد کے بغیر بھی چل سکتی ہے۔ ( )

(ہ) مشق اور تعلیم سے تمام قوم میں ہم دردی پھیل جاتی ہے۔ ( )

❁ ان جملوں کو غور سے پڑھیے:

۱- عدیل آیا۔ ۲- نازیہ اچھی بچی ہے۔

۳- کتاب دل چسپ ہے۔ ۴- فرخ پڑھ رہا ہے۔

ان چاروں جملوں میں جملہ ۱ اور ۴ میں کسی کام کا کرنا پایا جا رہا ہے جب کہ جملہ ۲ اور ۳

میں کوئی فعل نہیں ہے بلکہ صرف خبر ہے۔ لہٰذا ایسا جملہ جس میں کوئی خبر ہو، اُسے جملۂ اسمیہ کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں کسی اسم یا ضمیر کی خبر ہوتی ہے اور وہ جملہ جس میں کسی اسم کا کام بتایا جا رہا ہے، وہ جملۂ فعلیہ کہلاتا ہے۔

سوال ۵: درج ذیل جملوں میں جملۂ اسمیہ اور جملۂ فعلیہ کی نشان دہی کیجیے:

۱- راشد بیمار ہے۔ ۲- افشاں مضمون لکھ رہی تھی۔

۳- ہم فٹ بال کھیل رہے ہیں۔ ۴- وہ مصروف ہے۔

(۱) اس سبق کے اہم نکات پر مشتمل ایک چارٹ بنائیں۔

(۲) قومی ہم دردی کے موضوع پر استاد کی رہ نمائی میں تقریری مقابلہ کریں۔

❋ مضمون، نثر کی وہ صنف ہے جس میں کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔ مضمون کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ دنیا کے ہر معاملے، مسئلے یا موضوع پر مضمون لکھا جا سکتا ہے۔ مضمون کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے۔

(۱) زیرِ بحث مسئلے کا تعارف (۲) حمایت یا مخالفت میں دلائل (۳) نتیجہ۔ ہر مضمون کے لیے نظم و ضبط، توازن اور تناسب ضروری ہے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) قومی ہم دردی کا جذبہ اُجاگر کرنے کے لیے طلبہ کو ممتاز سماجی شخصیات کی خدمات سے آگاہ کیجیے۔

(۲) قومی ہم دردی کا جذبہ عام کرنے کے لیے طلبہ کا تقریری مقابلہ کرائیے۔

مولانا محمد حسین آزادؔ

ولادت: ۱۸۳۰ء وفات: ۱۹۱۰ء

آپ کا نام محمد حسین، آزادؔ تخلص، شمس العلماء خطاب تھا۔ والد کا نام مولوی محمد باقر تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر ذوقؔ کے شاگرد ہوئے۔ اعلیٰ ثانوی تعلیم دلّی کالج سے حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہوگیا۔ آزادؔ کے والد کو ایک انگریز کے قتل کے الزام میں سزائے موت ہوگئی۔ آزادؔ نے بہ مشکل جان بچائی اور لکھنؤ پہنچ گئے۔ لیکن یہاں بھی حالات سازگار نہ پا کر لاہور آ گئے اور محکمۂ تعلیم سے منسلک ہوگئے اور درسی کتابیں تیار کیں۔ نیز گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے استاد رہے۔ لاہور میں انجمنِ پنجاب کے سیکریٹری کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ آزادؔ کی تصنیفات میں "آبِ حیات، نیرنگِ خیال، دربارِ اکبری، قَصَصِ ہند، مکاتیبِ آزادؔ اور نظمِ آزادؔ" قابلِ ذکر ہیں۔
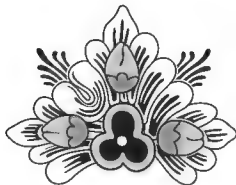
رشتہ ناتا

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مبتدا اور خبر کا فرق بیان کرسکیں اور جملے کی تقطیع کرسکیں۔ (۲) تخیّل کی بلندی اور تخلیقی صلاحیت کا اظہار کرتے ہوئے چار سو الفاظ پر مشتمل مضمون تحریر کرسکیں۔

رشتہ ایک خدائی پیوند ہے کہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ جو بات کہ خدا کی طرف سے ہو، ہم کو بھی چاہیے کہ اُس کی پیروی کریں اور اُس کی مضبوطی کو قوّت دیں۔ کیوں کہ علاوہ خوشنودیِ خدا کے، دنیا کے کل فوائد اور بہبود، اپنائیت اور یگانگت پر منحصر ہیں۔ مثلاً: اگر ماں باپ کو اپنے بچے کی محبت نہ ہو تو اُس کی پرورش ممکن نہیں۔ اسی طرح بھائی بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ مختلف رشتے دار جو ہر طرح سے ہمارے کاروبار میں مُعین و مددگار ہوتے ہیں، اگر سب اپنی اپنی جگہ کنارے بیٹھے رہیں تو گزارہ دنیا میں نہ ہو سکے۔ دنیا کی ہر بات میں نزدیکی اور دوری کے رشتے ہیں۔ اُن کی رعایت اور پابندی کو قانونِ ادب کہتے ہیں۔

ادب اور تعظیم اور رعایت دنیا کی بہبود اور کارروائی کے لیے ناگزیر ہیں۔ اگر ہم کسی کے ساتھ بے ادبی یا بے تو جہی سے پیش آئیں گے تو ہمارا کون ادب یا وقت پر کام کرے گا۔

آج کل ایک ایسا نازک زمانہ ہے کہ جن پر طرح طرح سے ہمارے حقوق

ثابت ہیں وہ بھی اُن کی طرف لحاظ نہیں کرتے، چہ جائے کہ ہم اُن سے برخلافی کریں، یقین ہے کہ ہمیں زندگی دشوار ہو جائے۔

جو تم سے بڑا ہو، اُس کو بڑا سمجھو۔ جو تمھارا بزرگ ہو، اُس کی خدمت کرو، کیوں کہ جب تک تم اُس کی خدمت نہ کرو گے، اُس کے حق سے نہ ادا ہو گے۔ ایسا کون شخص ہے جو کوئی کمالِ ذاتی خود بہ خود حاصل کر بیٹھا ہو۔ جو نعمت یا قدرت دنیا میں حاصل ہوتی ہے، بزرگوں کے فیضِ پرورش سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اُس کا شکر یہ تم کو ادا کرنا واجب ہے تا کہ خدا اُس کے ثمرے سے تم کو کام یاب کرے۔

اگر بزرگ تم سے خوش ہوں گے، خدا تمھارا تم سے خوش ہو گا اور زیادہ تر عنایت و انعام فرمائے گا اور دنیا کے فوائد علاوہ اُس کے رہے۔ اُس میں سے ایک لطف یہ بھی ہو گا کہ جب تم بڑے ہو گے تو اُسی طرح تمھارے خرد تمھاری خدمت کریں گے۔ پس یہ سلسلہ خدمت گزاری اور بہرہ یابی کا دین و دنیا میں اسی طرح جاری رہے گا، جس سے دونوں جہان کی راحت اور نعمت حاصل ہو گی۔

اگر تم اپنے ماں باپ سے خود سر رہے ہو تو عجب نہیں کہ تمھاری اولاد بھی تم سے سرکش رہے۔ اس وقت نہ عقل مندوں کے نزدیک، نہ خدا کی جناب میں کہیں تمھارا دعویٰ پیش کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ تم نے اپنے بزرگوں سے کیا سلوک کیا جو آج اپنے خُردوں سے توقع رکھتے ہو۔ یہ مفید قاعدہ دنیا میں اس لیے باندھا گیا کہ جس شخص کو بزرگ کی تعظیم کی عادت ہو گی، وہ خدا کی عبادت بھی دل سے کرے گا۔ جو ماں باپ کے حقوقِ پرورش اور محنت کو نہ مانے گا، وہ خدا کے حقوقِ نعمت کو کیا پہچانے گا، جو کہ آنکھوں سے بھی غائب ہے اور دیتا لیتا ہوا دکھائی بھی نہیں دیتا۔

اوّل مرتبہ بزرگی کا دنیا میں خدا کا ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور اس دنیا کو پیدا کیا جو تمھاری ضروریات سے مالا مال ہے۔ اُس معبود کی عبادت اور اطاعت بہ ہر حال واجب اور فرضِ عین ہے۔ دوسرا مرتبہ اُن کا ہے جو دنیا میں ذریعہ ہماری پیدایش اور پرورش کا ہیں، جن کی بہ دولت ہم نیستی سے ہستی میں آئے۔ اُنھوں نے ہمیں پرورش کیا، ہمارے ظاہر و باطن کے بنانے اور سنوارنے میں کوشش کی۔ جتنی اطاعت و تعظیم آدمی سے ہو سکے، ان کے لیے بجا لانی چاہیے۔ اُن کے احکام فقط ہمارے فائدے اور آرام کے لیے ہیں۔ اُن کے خوش کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے اور درحقیقت وہ اپنی اطاعت انھی اُمورات میں چاہتے ہیں جو ہمارے واسطے دین دنیا میں باعثِ راحت و آرام ہیں۔ تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لڑکے اپنے ماں باپ کی اطاعت میں رہے، وہ صاحبِ اقبال ہوتے ہیں اور جو اُن سے برگشتہ رہتے ہیں، وہ ہمیشہ بداقبال اور ذلیل وخوار رہتے ہیں۔ اگر زمانے کے حالات کی طرف غور کریں تو ہزاروں مثالیں اس طرح کی نظر آئیں گی۔ صورت اُن کی اطاعت کی یہ ہے کہ اُن کی خدمت میں حاضر رہو، اُن کی مرضی اور خوش نودی کی جستجو رکھو کہ جس طرح اُن کا جی چاہتا ہے، وہی کام تم سے عمل میں آئے۔ اگر اس طرح نہ معلوم ہو تو عرض کر کے دریافت کرو اور جس طرح حکم دیں عمل کرو۔ اگر اتفاقاً کسی سبب سے انھوں نے ایک کام کو نہ کہا ہو، لیکن تم سمجھتے ہو، پس اُس کے سرانجام میں دل سے کوشش کرو۔

نِشَست و برخاست میں اُن کی تعظیم کرنی چاہیے، اُنھیں آپ سلام کرنا چاہیے، اُن کے سامنے بہت بولنا نہیں چاہیے، اُن کی بات کو رد کرنا نہیں چاہیے، اُن کے سامنے باادب بیٹھنا چاہیے، اُن کے آگے نہیں چلنا چاہیے۔ اُستاد کا رتبہ بھی باپ کے

برابر ہے۔ باپ پرورشِ جسمانی کرتا ہے اور استاد پرورشِ روحانی۔ ماں باپ کھلا پلا کر جسم کی پرورش کرتے ہیں، اُستاد نعمتِ علم سے روح کو پرورش اور تربیت دیتا ہے۔ ماں باپ کے علاقے سے دو سلسلے قرابت کے جاری ہوتے ہیں یعنی ددھیال اور ننھیال، دادا دادی، نانا نانی کے باب میں اتنا کافی ہے کہ جب وہ ماں باپ کے بزرگ ہیں تو تم کو بھی اُن کا ادب کرنا واجب ہے، کیوں کہ وہ بزرگوں کے بزرگ ہیں اور چوں کہ اُن کا رتبہ اور عقل بہ نسبت ماں باپ کے بھی زیادہ تر پختہ ہے، اس لیے اُن کی پیروی اور اطاعت زیادہ تر فائدہ مند ہوگی۔ چچا چچی تمھارے ماں باپ کی جگہ ہیں، کیوں کہ جس دادا دادی کی اولاد تمھارا باپ ہے، اُسی کی اولاد وہ ہیں۔ تمھاری نام وَری یا بھلائی سے ان کی بھی نام وری و نیک نامی ہے اور تمھاری بدنامی میں ان کی بھی بدنامی۔ تمھارا اور اُس کا خون شریک ہے، اس واسطے اگر باپ نہ ہوگا تو تمھاری ہر بات پر اُس کا خون بھی ویسا ہی جوش کھائے گا جیسا تمھارے باپ کا۔ جیسا کہ اُس کو اپنی اولاد سے اُمید فائدے کی ہے، تمھاری پرورش سے بھی وہی اُمید ہے۔ اس واسطے تم کو اُس کے باب میں بھی وہی تعظیم کی نظر رکھنی چاہیے جیسی باپ کے ساتھ۔ چچا تمھارا اگر تم سے عمر میں چھوٹا ہو تو بھی اُس کی تعظیم کرو، کیوں کہ اُس کا رشتہ بڑا ہے۔ تمھارے دادا کا بیٹا ہے اور تمھارے باپ کا بھائی۔ ہاں اگر کئی چچا ہوں تو اُن میں آپس میں چھوٹے بڑے کا فرق رکھنا ضرور ہے۔

پھوپھی اور پھوپھا کو بھی ماں باپ کے برابر سمجھنا چاہیے۔ مثل مشہور ہے کہ ماں بیٹے دو ذات، پھوپھی بھتیجے ایک ذات۔ باپ اور پھوپھی ایک باپ کی اولاد ہیں، اس لیے ایک ذات ہیں اور ماں کبھی غیر ذات سے بھی ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ پھوپھی

اکثر بھتیجے کو بہت پیار کرتی ہے۔ پس تم کو بھی ویسا ہی اُس کا حق پہچاننا چاہیے۔ تم اُن کا حق ادا کرو۔ اُن کا حق تم پر یہ ہے کہ اُن کی خدمت اور تعظیم کرو۔ تمھارا حق اُن پر یہ ہے کہ تم پر شفقتِ بزرگانہ رکھیں۔

اسی طرح ماموں ممانی، خالو خالہ، سب بزرگ ماں باپ کے برابر ہیں۔ اکثر ماموؤں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے بھانجوں کو خود پرورش کرتے ہیں اور ایسی محبت اُن سے کرتے ہیں کہ وہ ماں باپ کو بھول جاتے ہیں، بلکہ جب بچے ضد کرتے ہیں، ماں باپ تنگ ہو کر اُن پر خفا ہوتے ہیں، لیکن وہ اُنھیں خفگی اور تنبیہ سے بچاتے ہیں اور سب ناز اُن کے اُٹھاتے ہیں۔

تمھارا ہر ایک بھائی قوّتِ بازو ہے، لیکن مثل مشہور ہے کہ بڑا بھائی باپ برابر۔ جتنا تم سے بڑا ہو، اتنی ہی اُس کی تعظیم بھی زیادہ چاہیے۔ بڑے بھائی بہن تمھاری پرورش میں ماں باپ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ اُن کا حق تم پر واجب ہے۔ بہنوں کو یہ خیال بہت ہوتا ہے۔ اُن کا دل بہت نازک ہے۔ ہزاروں اُمیدیں اور آرزوئیں بھائیوں سے رکھتی ہیں۔

اگرچہ عورت اپنے خاوند کے گھر میں خوش حال ہو، لیکن جب اس کے باپ یا بھائی پر کوئی صدمہ ہوتا ہے تو گویا اُس کی جان پر صدمہ ہوتا ہے۔ دل بے قرار ہو جاتا ہے۔ جو عورت دونوں گھروں یعنی خاوند اور ماں باپ کی طرف سے بے فکر ہوتی ہے، اُس کا دل خوشی سے باغ باغ ہوتا ہے۔ اُدھر کی بے فکری سے اِدھر اور اِدھر کی خوش حالی سے اُدھر حُرمت بڑھتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ بیٹا بیٹی سے زیادہ بھائی بہن پیارے ہوتے ہیں۔ واضح ہو کہ ماں باپ کے رشتے قدرتی ہیں اور اپنے اختیار سے

باہر ہیں، بزرگوں کی عقل پختہ اور تجربے کار ہوتی ہے، اس واسطے ان کی رائے کو بھی مقدّم سمجھنا چاہیے۔ بعد اس کے جاننا چاہیے کہ تمھارے ہر ایک رشتے دار کو آپس میں ایک دوسرے کا سہارا ہے۔

(ماخوذ از: مقالاتِ مولانا محمد حسین آزاد، جلد دُوُم)

مرتبہ: آغا محمد باقر

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) قانونِ ادب سے کیا مراد ہے؟

(ب) دنیا کی بہبود کے لیے کون کون سی چیزیں ضروری ہیں؟

(ج) اگر بزرگ تم سے خوش ہوں گے تو کیا ہوگا؟

(د) ماں باپ کی اطاعت کس طرح کرنی چاہیے؟

(ہ) جو اولاد اپنے ماں باپ کا کہا نہیں مانتی اس کا کیا انجام ہوتا ہے؟

سوال۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) رشتہ ایک پیوند ہے:

(۱) خدائی (۲) دنیاوی (۳) لازمی (۴) مصنوعی

(ب) بچّے کی پرورش ممکن نہیں اگر محبت نہ ہو:

(۱) بہن بھائی کو (۲) دوستوں کو

(۳) ماں باپ کو (۴) پڑوسیوں کو

(ج) دنیا کی ہر بات میں نزدیکی اور دوری کے ہیں:

(۱) نظارے (۲) رشتے (۳) احکامات (۴) مزے

(د) رشتوں کی رعایت اور پابندی کو کہتے ہیں:

(۱) قانونِ فلسفہ (۲) قانونِ شہادت

(۳) قانونِ کیمیا (۴) قانونِ ادب

(ہ) بزرگوں کی خدمت سے حاصل ہوتی ہے:

(۱) خدا کی خوش نودی (۲) دنیا کی دولت

(۳) عزت دار ملازمت (۴) دنیا کی نعمتیں

سوال۳: درست الفاظ لکھ کر خالی جگہیں پُر کیجیے:

(الف) تم اپنے ماں باپ سے خود سر رہے ہو تو عجب نہیں کہ تمھاری اولاد بھی تم سے .... رہے۔

(ب) جب تم .... ہوگے تو اُسی طرح تمھارے خُرد تمھاری خدمت کریں گے۔

(ج) جو نعمت یا قدرت دنیا میں حاصل ہوتی ہے .... کے فیضِ پرورش سے حاصل ہوتی ہے۔

(د) جس شخص کو بزرگ کی تعظیم کی عادت ہوگی، وہ .... کی عبادت بھی دل سے کرے گا۔

(ہ) اوّل مرتبہ بزرگی کا دنیا میں .... کا ہے۔

سوال۴: درست بیان پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) جو ماں باپ کے حقوقِ پرورش اور محنت کو نہ مانے گا وہ خدا کے حقوقِ نعمت کو کیا پہچانے گا۔ ( )

(ب) ماں باپ کو خوش کرنے سے خدا خوش نہیں ہوتا۔ ( )

(ج) والدین کے احکام فقط ہمارے فائدے کے لیے ہیں۔ ( )

(د) استاد کا رتبہ باپ کے برابر نہیں ہے۔ ( )

(ہ) استاد نعمتِ علم سے روح کو پرورش اور تربیت دیتا ہے۔ ( )

سوال۵: ''اگر میں وزیرِ تعلیم ہوتا'' کے زیرِ عنوان چار سو الفاظ پر مشتمل مضمون لکھیے۔

جملے کے اجزا:

جملے کے اصل عنصر دو ہیں: ۱-مبتدا، ۲-خبر

مبتدا وہ شخص یا شے ہے جس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خبر، جو کچھ اس شخص یا شے کی نسبت ذکر کیا جائے۔

مثلاً: احمد آیا- وہ گیا

مبتدا	خبر
احمد	آیا
وہ	گیا

سوال۶: درج ذیل جملوں میں مبتدا اور خبر کی نشان دہی کیجیے:

اکرم گیا- بچہ کودا- بانو آئی- زین رویا- ابّو آئے
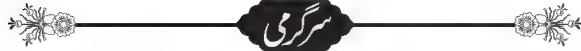
طلبہ ننھیال اور ددھیال کے رشتوں کا چارٹ تیار کر کے کلاس میں آویزاں کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ: (۱) صلۂ رحمی کا مفہوم واضح کیجیے۔ (۲) رشتوں کے احترام کی ضرورت و اہمیت اُجاگر کیجیے۔ (۳) طلبہ کو گروہوں میں تقسیم کیجیے۔ ہر گروہ کو دو دو پیراگراف ان سے متعلق سوالات کے ساتھ تفویض کیجیے کہ پڑھیں اور سوالات کے جواب تحریر کریں۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان

ولادت ۱۹۱۲ء   وفات ۲۰۰۵ء

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان جبل پور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن گھر پر پڑھا وہیں کے انجمن اسلامیہ ہائی اسکول میں ثانوی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ علی گڑھ کالج سے ایم۔اے اور ناگ پور یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۹۳۷ء میں پبلک سروس کمیشن پاس کر کے کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی (ہندوستان) میں اُردو کے استاد مقرر ہوئے۔ اس کے بعد آپ ناگ پور یونی ورسٹی میں صدر شعبۂ اُردو مقرر کیے گئے۔ ۱۹۴۸ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے آپ کو اُردو کالج کراچی میں صدر شعبۂ اردو کے طور پر تعینات کیا۔ علامہ آئی آئی قاضی نے آپ کو حیدر آباد سندھ یونی ورسٹی میں صدر شعبۂ اردو مقرر کیا۔

ڈاکٹر صاحب ایک بڑے عالم، محقق، مصنف، ماہر لسانیات، ماہر تعلیم اور سلسلۂ نقشبندیہ کے عظیم رہنما تھے۔ آپ کو اُردو، ہندی، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ آپ کی علمی اور تصنیفی خدمات کی وجہ سے پاکستان کے مختلف اداروں نے تمغے، ایوارڈ اور سپاس نامے عطا کیے۔ حکومت پاکستان نے ''اقبال اور قرآن'' کتاب لکھنے پر صدارتی ایوارڈ ''ستارۂ امتیاز'' سے نوازا۔ آپ کی تحریر کردہ کتابیں پاکستان کی جامعات میں پڑھائی جاتی ہیں۔
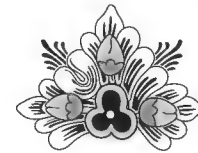
نظریۂ پاکستان

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) روزمرہ کے لحاظ سے غلط فقرے درست کر سکیں۔ (۲) کوئی مضمون اپنے مشاہدے، علم، تجربات اور تخیل کے حوالے سے جامع انداز سے لکھ سکیں۔ (۳) مضمون نگاری سیکھ سکیں۔

مسلمانوں نے ہمیشہ رواداری کو اپنا شیوہ بنایا ہے لیکن جب کفر والحاد اپنا غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو مسلمان اس کے مقابلے کے لیے ڈٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ بادشاہ اکبر کی بے جا رواداری اور ملکی سیاست میں ہندوؤں کے عمل دخل کی وجہ سے ملک میں کافرانہ طور طریقے اس قدر رائج ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کی آزادی خود ان کے دینی معاملات میں بھی ختم ہو گئی تھی۔ چناں چہ اکبر کے آخری دور میں اسلام کی سربلندی کے لیے حضرت مجدّدِ الف ثانیؒ کھڑے ہوئے۔ آپ نے جہانگیر کے زمانے میں محض دین کی خاطر قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور اسلامی قدروں کو نئے سرے سے فروغ دیا۔ ان کے اثر سے شاہ جہاں اور اس کے بعد اس کا بیٹا اورنگ زیب، دین کا خادم بنا لیکن اورنگ زیب کے بعد ہی اس کے بیٹوں کے باہمی نفاق اور کمزوری کی وجہ سے مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ مرہٹوں اور ہندوؤں کے کئی گروپ نے سر اُٹھایا۔ انگریزوں نے اپنے قدم جمائے اور ملک میں انتشار پھیل گیا لیکن ایسے گئے گزرے حالات میں بھی قوم کو فروغ دینے اور اسلام کو سربلند کرنے کے لیے میسور

کے سلطان حیدر علی اور اس کے بیٹے سلطان ٹیپو نے ہندوؤں اور انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ بلکہ افغانستان، ترکی اور پھر فرانس کو بھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی لیکن ملک کے دوسرے سرداروں نے ساتھ نہیں دیا اور انھیں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادوں نے مسلمانوں کی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو دور کرنے کی تحریک شروع کی۔

چناں چہ سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں مسلمانوں نے پھر اپنے قدم جمانے کی کوشش کی لیکن انگریزی اقتدار مستحکم ہو چکا تھا اس لیے انھیں کامیابی نہ ہوسکی۔ اس زمانے میں سرسیّد نے مجبوراً انگریزوں سے مفاہمت کو غنیمت جانا اور مسلمان قوم کی اخلاقی اور تہذیبی اصلاح پر توجہ دی اور اُن کے دلوں سے احساسِ کمتری کو دور کرنے کی کوشش بھی کی۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں ہندوؤں نے کانگریس کی بنیاد ڈالی اور ظاہر یہ کیا کہ وہ ملک کی تمام قوموں کو ان کے حقوق دلوائیں گے۔ لیکن بعد میں پتا چلا کہ وہ صرف اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے تھے۔ اُنھوں نے مسلمانوں کو ان کے کاروبار سے بھی محروم کرنے کی کوشش کی اور وہ سرکاری ملازمتوں پر بھی قابض ہوگئے۔ نیز اُنھوں نے مسلمانوں کی مشترکہ زبان اُردو کے مقابلے میں ہندی کو قائم کردیا۔ سرسیّد نے مسلمانوں کو ہندوؤں کی اس کانگریس اور ان کی سیاست سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی پھر سرسیّد کے ایک رفیق نواب محسن الملک نے سنہ ۱۹۰۶ء میں کل ہند مسلم لیگ کے نام سے مسلمانوں کی ایک الگ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیم ڈھاکے میں قائم ہوئی تھی جہاں ہندوؤں نے سازش کر کے مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لیے مشرقی بنگال اور آسام کا وہ صوبہ جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، ختم کرادیا اور سنہ ۱۹۱۱ء میں

اسی علاقے کو پھر بنگال میں شامل کرادیا۔

اسی زمانے میں پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی جس میں انگریز کا مقابلہ جرمنی سے ہوا اور ترکی نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ ہندوستان کے مسلمان چوں کہ ترکی کے سلطان کو حجاز کی خدمت کرنے کی وجہ سے خلیفۂ اسلام سمجھتے تھے، اس لیے اُنھوں نے مالی اور طبی امداد بہم پہنچائی جس کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ کو مسلمانوں سے عناد پیدا ہوگیا۔ لیکن اُنھوں نے یہاں کے مسلمانوں سے یہ وعدہ کیا کہ اگر ہم کو اس جنگ میں فتح حاصل ہوگی تو ہم کسی طرح بھی ترکی کو مزید نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ یہ وعدہ محض فریب تھا۔ چناں چہ جب انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی تو وہ اپنے وعدے سے پھر گئے اور انھوں نے ترکی کی وسیع سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔ یہاں کے مسلمانوں کو اس فریب کی وجہ سے بہت تکلیف پہنچی اور اُنھوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی کی رہنمائی میں تحریکِ خلافت شروع کی لیکن اس زمانے میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لیے ''شدھی تحریک'' شروع کی اور ان کو ختم کرنے کے لیے ''سنگٹھن تحریک'' بھی شروع کی۔ پھر سنہ ۱۹۲۸ء میں کانگریس نے جو نہرو رپورٹ شایع کی اس میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ نمائندگی کا اصول جو وہ بارہ سال پہلے تسلیم کر چکے تھے بالکل نظرانداز کردیا۔ پھر تو مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا اور اُنھیں یقین ہوگیا کہ چوں کہ ان کا دین، اُن کی تہذیب اور ان کی معاشرت سب کچھ غیر مسلموں سے مختلف ہے، اس لیے کسی حالت میں ہندوؤں سے تعاون نہیں ہوسکتا۔ چناں چہ سنہ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے الہ آباد والے اجلاس میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) بنانے کی تجویز پیش

کی۔ چار سال کے بعد جب قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کی صدارت کا مستقل عہدہ قبول کیا تو اُنھوں نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی۔ آخر کار ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء کو اُنھوں نے لاہور کے اجلاس میں واضح طور پر اعلان کر دیا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، وہاں ایک آزاد مسلم ریاست قائم کی جائے۔ اس اعلان کو ''قراردادِ پاکستان'' کہتے ہیں جس کی رُو سے مسلمانوں کی آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دنیا میں قومیت کی تشکیل کی دو بنیادیں ہیں۔ ایک وہ جو مغربی مفکرین نے قائم کی ہے۔ دوسری وہ جو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کی ہوئی ہے۔ اہلِ مغرب نے خاندانی، نسلی اور قبائلی بنیادوں میں ذرا وسعت پیدا کر کے قومیت کی بنیادیں جغرافیائی حدود پر استوار کیں اور کہا کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اس نظریے کی وجہ سے دنیا کے انسانوں کے درمیان تباہی کا جو دروازہ کھلا، وہ دو عالمی جنگوں کے ہونے سے بہ خوبی ظاہر ہے۔ یہ وطنی قومیت ہی کی بنیاد پر لڑی گئیں اور یہ وطنی قومیت جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو تحفظ دینے میں تو بالکل ہی ناکام تھی کیوں کہ جنوبی ایشیا کے مسلمان اس نظریے کے تحت ایک مجبور اقلیت بن جاتے۔

قومیت کی دوسری بنیاد وہ ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملت اسلامیہ کی تشکیل کرتے وقت قائم فرمائی اور جو مغرب کے تصورِ قومیت سے جدا ہے، جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے بھی فرمایا ہے:

ے اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

مسلمانوں کی قومیت ایک نظریاتی قومیت ہے جو لاَ اِلٰہ اِلا اللہ پر قائم ہے، یعنی یہ کہ نسل، رنگ اور وطن کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریے، ایک عقیدے، ایک کلمے کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے اور اس نظریاتی پہلو کو نمایاں کرنے کے لیے اسے ملت کہا گیا ہے۔ ایسی نظریاتی قومیت میں ہر نسل، ہر رنگ اور ہر جغرافیائی خطے کے لوگوں کے لیے جگہ ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنوبی ایشیا کے مسلمان جن میں ہر نسل، ہر رنگ اور مختلف جغرافیائی خطوں کے لوگ شامل تھے، اُن کو ایک ایسی قوم کے ماتحت اقلیت بن کر رہنا منظور نہ تھا جو اسلامی قومیت کے برعکس ذات پات، چھوت چھات اور بت پرستی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ چناں چہ اُنھوں نے اپنی جداگانہ قومیت یعنی اسلامی قومیت کی بنیاد پر اپنے لیے ایک جدا وطن کا مطالبہ کیا، جس میں وہ اپنے عقیدے، اپنے نظریۂ زندگی، اپنے طرزِ معاشرت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے دورِ جدید کے چیلنج کا مقابلہ کر کے اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔

ہمیں اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ نظریۂ پاکستان میں اسلامی زندگی اور قدروں کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اخوت، مساوات، عدل، دیانت، خدا ترسی، انسانی ہمدردی اور عظمت کردار کے بغیر نظریۂ پاکستان کو فروغ نہیں ہوسکتا۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد محض ایک حکومت قائم کرنا نہیں تھا کیوں کہ مسلمانوں کی حکومتیں ایشیا اور افریقہ میں پہلے سے موجود تھیں۔ نظریۂ پاکستان کا مقصد اسلامی اصولوں کی ترویج و اشاعت اور اہلِ عالم کے لیے مثالی مملکت کا نمونہ فراہم کرنا ہے۔

پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ ہندوؤں کو بہت ناگوار گزرا۔ اُنھوں نے پوری کوشش کی کہ یہ مملکت قائم نہ ہونے پائے۔ ان کے پاس دولت اور طاقت تھی۔ جنوبی ایشیا میں ان کی اکثریت تھی لیکن چوں کہ قیامِ پاکستان کا مطالبہ حق اور انصاف پر مبنی تھا، اس لیے حکومتِ برطانیہ کو مجبور ہونا پڑا اور قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی پر خلوص قیادت، مسلمانوں کے یقین، اتحاد اور عملِ پیہم کی وجہ سے ۱۴/اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک بڑی ترقی کی ہے اور اس کا شمار دنیا کے اہم ملکوں میں ہوتا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اور زیادہ ترقی کرے اور ہمیشہ ترقی کرے تو ہمیں نظریۂ پاکستان کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا پڑے گا۔ اس کی بدولت ہم پاکستان کو زیادہ مستحکم اور شاندار بنا سکتے ہیں۔

نظریۂ پاکستان کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی اور فلاحی مملکت بنانا ہے۔ ہمیں ایسا کوئی قدم نہیں اُٹھانا چاہیے جس کی وجہ سے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ ہمارا جینا اور مرنا پاکستان کے لیے ہونا چاہیے۔ قومی مفاد کے سامنے ذاتی مفاد کو دل سے نکال دینا چاہیے۔ ہر قسم کی گروہ بندی سے بالاتر ہو کر تمام پاکستانیوں کی فلاح و بہبود کی کوشش کرنا نظریۂ پاکستان کو فروغ دینا ہے۔ اگر ہم نے نظریۂ پاکستان کو پیشِ نظر رکھا اور اپنی سیرت اور کردار کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی تو دنیا کی دوسری قوموں میں بھی ہمیں امتیاز حاصل ہوگا اور ہم اسلامی اصولوں کی روشنی میں پاکستان کو توانا، مستحکم، شاندار اور پُرعظمت بنانے میں پوری طرح کامیاب ہوں گے۔

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) نظریۂ پاکستان کا مفہوم مختصراً بیان کیجیے۔

(ب) شاہ ولی اللہؒ کی تحریک کا مقصد کیا تھا؟

(ج) سرسیّد احمد خان کا ہندو اور مسلمان قوموں کے بارے میں کیا نظریہ تھا؟

(د) کانگریس کا اصل مقصد کیا تھا اور مسلم لیگ کا قیام کیوں عمل میں آیا؟

(ہ) دنیا میں قومیت کی تشکیل کے دو بنیادی نظریے کون کون سے ہیں؟

سوال۲: ''نظریۂ پاکستان'' کے سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

سوال۳: اپنے دوست کو ایک خط لکھیے جس میں بتائیے کہ ہمیں نظریہ پاکستان کے تحفظ کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

سوال۴: درج ذیل دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔

(الف) اسلام کی سربلندی کے لیے کھڑے ہوئے:

(۱) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
(۲) حضرت مجدد الف ثانیؒ
(۳) مولانا شوکت علی
(۴) مولانا محمد علی جوہر

(ب) ہندوؤں نے اردو زبان کے مقابلے میں قائم کی:

(۱) انگریزی زبان
(۲) فارسی زبان
(۳) سنسکرت زبان
(۴) ہندی زبان

(ج) پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی:

(۱) ۱۹۱۰ء

(۲) ۱۹۱۱ء

(۳) ۱۹۱۲ء

(۴) ۱۹۱۴ء

(د) نظریۂ پاکستان کا مقصد ہے:

(۱) اسلامی اصولوں کی ترویج کرنا

(۲) سیاست کرنا

(۳) اسلامی وفلاحی مملکت بنانا

(۴) اسلامی اصولوں کا یاد کرنا

(ہ) ہمارا جینا مرنا ہونا چاہیے:

(۱) اپنے لیے

(۲) دوستوں کے لیے

(۳) پڑوسیوں کے لیے

(۴) پاکستان کے لیے

❁ درج ذیل مثالوں پر غور کیجیے:

۱- تم ''اچھے بھلے'' پڑھے لکھے آدمی ہو، کوئی ڈھنگ کا کام کرو۔

۲- وہ ''اچھا خاصا'' امیر آدمی ہے، پھر بھی اپنی غریبی کو روتا رہتا ہے۔

۳- دونوں بھائیوں میں بس ''اُنیس بیس'' کا فرق ہے۔

ان فقروں میں واوین کے درمیان الفاظ روزمرّہ کی مثالیں ہیں۔

سوال۵: اب آپ ذیل کے فقروں کو روزمرّہ کے مطابق درست کیجیے:

۱- لگتا ہے اب اس شہر سے ہمارا پانی دانہ اُٹھ گیا ہے۔

۲- ارے بھائی! بہت دنوں بعد نظر آئے، کیا چال حال ہے۔

۳- بڑی دوستی تھی دونوں میں، لیکن آج کل کچھ بن اَن ہے۔

(۱) تحریکِ پاکستان کی اپنی پسندیدہ شخصیت پر سو الفاظ کا مضمون اپنی کاپی میں لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو مضمون نگاری کے بارے میں مفصّل سمجھائیے۔

(۲) روزمرّہ کے لحاظ سے غلط فقرے درست کرنے کی مشق کرائیے۔

ڈپٹی نذیر احمد

ولادت: ۱۸۳۱ء وفات: ۱۹۱۲ء

شمسُ العُلَماء خان بہادر مولانا نذیر احمد ضلع بجنور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ بعد میں تعلیم کا شوق انھیں دلّی لے آیا۔ یہاں مولوی عبدالخالق کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے۔ دلّی کالج سے ادب، عربی، فلسفہ اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔ انگریزی ذاتی محنت اور کوشش سے پڑھی۔ ملازمت کا آغاز ضلع گجرات (پنجاب) سے مُدرِّس کی حیثیت سے کیا۔ بعد میں ترقّی کر کے انسپکٹر مدارس ہو گئے، پھر تحصیل دار اور بعد ازاں افسرِ بندوبست ہوئے۔ اس کے بعد ریاست حیدر آباد چلے گئے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد دلّی میں آ کر باقی زندگی تَصنِیف وَتالِیف میں بَسَر کی۔ نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار کہا جاتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے سات ناول لکھے جن میں "مِراٰۃ العَرُوس، توبۃ النَّصُوح، ابنُ الوقت، بِناتُ النَّعش" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

اصغری نے لڑکیوں کا مکتب بٹھایا

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) نئے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کر سکیں۔
(۲) روزمرہ اور محاوروں کا استعمال کر سکیں۔ (۳) مختلف اصنافِ نثر میں امتیاز کر سکیں۔

حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی فتح اللہ خاں بہت مدّت تک والیِ اِندَور کی سرکار میں مختارِ کل رہے اور ہزاروں روپے کی اَملاک شہر میں خرید کر لی تھی۔ بڑی شان سے رہتے تھے۔ ڈیوڑھی پر سپاہیوں کا گارد، اندر باہر تیس چالیس آدمی نوکر، گھوڑا، ہاتھی، پالکی، بگھّی سواری کو موجود۔

فتح اللہ خاں کی دو بیٹیاں تھیں، جمال آرا اور حُسن آرا۔ جمال آرا نواب اِسفَندیار خان کے بیٹے سے بیاہی گئی تھیں۔ حُسن آرا کی نسبت نواب جَھجَر کے خاندان میں ہوئی۔ ان لڑکیوں کی خالہ شاہ زمانی بیگم اسی مُحلّے میں رہتی تھیں جس میں اصغری کا مَیکا تھا۔ اس مُحلّے میں تو اصغری کی لیاقت کا شور تھا۔ شاہ زمانی بیگم بھی اصغری کے حال سے خوب واقف تھیں۔ شاہ زمانی بیگم اپنی چھوٹی بہن (حُسن آرا کی ماں) سے ملنے کے لیے آئیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی فرد بشر رنج سے خالی نہیں اگر ہر طرف سے خوشی ہی خوشی ہو تو انسان خُدا کو بھول کر بھی یاد نہ کرے۔ شاہ زمانی کی چھوٹی بہن سلطانہ کو دنیا کے سب عیش مُیَسَّر تھے، لیکن لڑکیوں کی طرف سے رنجیدہ خاطر رہا کرتی تھیں۔ حُسن آرا کے مزاج کی اُفتاد ایسی بُری پڑی تھی کہ اپنے گھر ہی میں سب سے

بگاڑ تھا۔ نہ ماں کا لحاظ، نہ آپا کا ادب، نہ باپ کا ڈر۔ نوکر ہیں کہ آپ نالاں ہیں۔ لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں۔ غرض حُسن آرا سارے گھر کو سر پر اٹھائے رہتی تھی۔ شاہ زمانی بیگم کے آنے سے چاہیے تھا کہ بڑی خالہ سمجھ کر حسن آرا گھڑی دو گھڑی کو چُپ ہو کر بیٹھ جاتی، کیا ذکر! شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اترے دیر نہ ہوئی تھی کہ لگا تار دو تین فریادیں آئیں کہ بیگم صاحب دیکھیے چھوٹی صاحب زادی نے میری نئی اوڑھنی لیر لیر کر ڈالی۔ اب مجھے کون بنا کر دے گا؟ گلاب بِلبِلا اٹھی کہ ہائے! میرا کان خونا خون ہو گیا۔ باورچی خانے سے ماما نے دُہائی دی، اچھی، خدا کے لیے کوئی ان کو سمجھاتا۔ سالن کی پتیلیوں میں مٹھیاں بھر بھر کر راکھ جھونک رہی ہیں۔

شاہ زمانی بیگم نے آواز دی ''حُسنا! یہاں آؤ۔''

خالہ کی آواز پہچان، بارے حُسن آرا چلی تو آئی لیکن نہ سلام نہ دعا۔ ہاتھوں میں راکھ، پاؤں میں کیچڑ۔ اسی حالت میں دوڑ، خالہ سے لپٹ گئی۔ خالہ نے کہا ''حُسنا تم بہت شوخی کرنے لگی ہو۔''

حُسن آرا نے کہا ''اس سُنبُل چڑیل نے فریاد کی ہوگی۔'' یہ کہہ کر خالہ کی گود سے نکل، لپک کر سُنبُل کا سر کھسوٹ لیا۔ بہتیرا خالہ ''ایں ایں'' کرتی رہیں، ایک نہ سُنی۔

شاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف مخاطِب ہو کر بولیں: ''بُوا سلطانہ، اس لڑکی کے لیے تو خدا کے واسطے کوئی استانی رکھو۔''

سلطانہ بیگم ''باجی اماں کیا کروں مہینوں سے استانی کی تلاش میں ہوں کہیں نہ ملتی''

شاہ زمانی بیگم: اُوئی بُوا۔ تمھاری بھی کہاوت وہی ہے، ''ڈھنڈورا شہر میں، بچہ بغل میں''۔ خود تمھارے محلّے میں مولوی محمد فاضل کی چھوٹی بَہو لاکھ استانیوں کی ایک اُستانی ہے۔

سلطانہ: مجھ کو آج تک اطلاع نہیں۔ دیکھو، میں آدمی بھیجتی ہوں۔

یہ کہہ کر اپنے گھر کی داروغہ کو بلایا کہ مانی جی کوئی مولوی صاحب اس محلے میں رہتے ہیں، باجی اماں کہتی ہیں، ان کی چھوٹی بہو بہت پڑھی لکھی ہیں۔ دیکھو اگر استانی گیری کی نوکری کریں تو اُن کو بلا لاؤ۔

مانی جی مولوی صاحب کے گھر آئیں۔ محمد کامل کی ماں سے صاحب سلامت ہوئی۔

مانی جی: تمھاری چھوٹی بہو کہاں ہیں؟

محمد کامل کی ماں: کوٹھے پر ہیں۔

مانی جی: میں اُن کے پاس اُوپر جاؤں گی۔

دیانت النساء: بہو صاحب یہیں آ جائیں گی۔

تمیز دار بَہو کے نیچے اترنے کا وقت آ گیا تھا، کیوں کہ عَصر کی نماز پڑھ کر اصغری نیچے اُتر آتی تھی اور مغرب اور عشا دونوں نمازیں پڑھا کرتی تھی۔ اصغری کو مانی جی نے دیکھا تو باتوں ہی باتوں میں اتنا کہا کہ بیگم صاحب کو اپنی چھوٹی لڑکی کا تعلیم کرانا منظور ہے۔ بڑی بیگم صاحب نے آپ کا ذکر کیا تو بیگم صاحب نے مجھ کو بھیجا۔

اصغری: دونوں بیگم صاحبوں کو میری طرف سے بہت سلام کہنا۔ میرا جی بہت چاہتا ہے کہ بیگم صاحب کی لڑکی کو پڑھاؤں۔ لیکن کیا کروں، نہ تو بیگم صاحب لڑکی کو یہاں بھیجیں گی اور نہ ان کے گھر میرا جانا ہو سکتا ہے۔

مانی جی نے تنخواہ کا تو نام نہ لیا لیکن دبی زبان سے اتنا کہا کہ بیگم صاحب ہر طرح سے خرچ پات کی ذمے داری کرنے کو موجود ہیں۔

اصغری: یہ سب اُن کی مہربانی ہے اُن کی ریاست کو یہی بات زیبا ہے لیکن اُن کے زیرِ سایہ ہم غریب بھی پڑے ہیں تو خدا ننگا بھوکا نہیں رکھتا۔ بِن داموں کے لونڈی بن کر خدمت کرنے کو تو میں حاضر ہوں اور اگر تنخواہ دار استانی درکار ہو تو شہر میں بہت ملیں گی۔

اصغری کی گفتگو سن کر مانی لٹّو ہو گئی۔ ہر چند کہ نوابی کارخانے دیکھے ہوئے تھے مگر اصغری کی شُستہ تقریر سُن کر دَنگ ہو گئی اور معذرت کی کہ بی مجھ کو معاف کرنا۔

غرض مانی جی رخصت ہوئیں اور وہاں جا کر کہا: ''بیگم صاحب، استانی تو واقعی میں لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے، جس کی صورت دیکھنے سے آدمی بن جائے۔ پاس بیٹھنے سے انسانیت سیکھے۔ سایہ پڑ جانے سے سلیقہ سیکھے۔ ہوا لگ جانے سے ادب پکڑے۔ لیکن نوکری کرنے والی نہیں۔ تحصیل دار کی بیٹی ہے۔ رئیسِ لاہور کے مختار کی بہو۔ گھر میں ماما نوکر ہے۔ دالان میں چاندنی بچھی ہے۔ سوزنی گاؤ تکیہ لگا ہے۔ اچھی خوش گزران زندگی بھلا اُن کو نوکری کی کیا پروا ہے۔

شاہ زمانی بولیں: ''سچ ہے بُوا سلطانہ، تم نے مانی جی کو بھیجا تو تھا لیکن مجھ کو یقین نہ تھا کہ وہ نوکری کریں گی۔''

مانی جی: لیکن وہ تو ایسی آدمی ہیں کہ مفت پڑھانے کو خوشی سے راضی ہیں۔

سلطانہ نے پوچھا: ''کیا یہاں آ کر؟''

مانی جی: بھلا بیگم صاحب، جو نوکری کی پروا نہیں کرتا، وہ یہاں کیوں آنے لگا؟

سلطانہ: کیا پھر لڑکی وہاں جایا کرے گی؟

شاہ زمانی: اس میں قَباحت کی کیا بات ہے؟

سلطانہ: خیر حُسن آرا وہیں چلی جایا کرے گی۔

اگلے دن شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں بہنیں حُسن آرا کو لے کر اصغری کے گھر آئیں۔ دونوں بہنوں نے اصغری سے کہا کہ مہربانی کر کے اس کو دل سے پڑھا دیجیے۔

اصغری: اوّل تو خود مجھ کو کیا آتا ہے، مگر جو چار حرف بزرگوں کی عنایت سے آتے ہیں، اِن شاءاللہ ان کے بتانے میں اپنے مَقدُور بھر دَریغ نہ کروں گی۔

چلتے ہوئے سلطانہ بیگم اصغری کو اشرَفی دینے لگیں۔

اصغری: اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ بھلا یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ میں پڑھوائی آپ سے لوں۔

سلطانہ: اَستَغفِرُاللہ! پڑھوائی دینے کا ہمارا کیا منہ ہے۔ بِسم اللہ کی مٹھائی ہے۔

اصغری: ہاں! شروع میں تبَرُّک کے طور پر مٹھائی بانٹ دیا کرتے ہیں۔ سو اشرَفی کیا ہوگی بچّوں کا منھ میٹھا کرنے کو سیر آدھ سیر مٹھائی کافی ہے۔

یہ کہہ کر دیانت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ایک قاب بھر کر ٹکتیاں لائی۔ اصغری نے خود فاتحہ پڑھ کر پہلے حُسن آرا کو دی اور بھری قاب دیانت کو دی کہ سب بچّوں کو بانٹ دو۔

غرض دنیا سازی کی باتیں ہو ہوا کر شاہ زمانی بیگم چلی گئیں اور حُسن آرا کو اصغری کے حوالے کر گئیں۔

(ماخوذ از: مرأۃ العروس)

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) فتح اللہ خاں کی کتنی بیٹیاں تھیں؟ ان کے نام بتائیے۔

(ب) سلطانہ کے رنجیدہ رہنے کی اصل وجہ کیا تھی؟

(ج) حُسن آرا مزاج کے لحاظ سے کیسی تھی؟

(د) شاہ زمانی بیگم نے حُسن آرا کی تعلیم کے بارے میں چھوٹی بہن کو کیا مشورہ دیا؟

(ہ) اصغری نے حُسن آرا کو پڑھانے کے لیے کہاں بلایا؟

سوال۲: درج ذیل میں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) فتح اللہ خاں نے اِندَور میں اَملاک خریدی:

(۱) سیکڑوں روپے کی (۲) ہزاروں روپے کی

(۳) لاکھوں روپے کی (۴) اربوں روپے کی

(ب) شاہ زمانی بیگم اُتریں:

(۱) پالکی سے (۲) رکشے سے

(۳) بگھی سے (۴) گھوڑے سے

(ج) محمد فاضل کی چھوٹی بہُو تھی:

(۱) کام چور (۲) کم عقل

(۳) عمر رسیدہ (۴) پڑھی لکھی

(د) سلطانہ بیگم چلتے ہوئے اصغری بیگم کو دینے لگی:

(۱) اشرفی (۲) بریانی (۳) کپڑے (۴) مٹھائی

(ہ) دیانت قاب میں بھر لائی:

(۱) ٹکتیاں (۲) اشرفیاں (۳) کھیر (۴) روٹیاں

سوال۳: درج ذیل کالم ''الف'' کو کالم ''ب'' سے ملایئے:

	الف	ب
۱)	جمال آرا اور حُسن آرا کا باپ	اصغری
۲)	سلطانہ کی بہن	دیانت النساء
۳)	محمد کامل کی بیوی	حکیم روح اللہ خاں
۴)	اصغری کی ملازمہ	فتح اللہ خاں
۵)	فتح اللہ خاں کے بڑے بھائی	شاہ زمانی بیگم

سوال۴: درج ذیل کی تشریح اپنے الفاظ میں لکھیے:

(الف) ''دنیا کا دستور ہے کہ کوئی فرد بشر رنج سے خالی نہیں۔ اگر ہر طرف خوشی ہی خوشی ہو تو انسان خدا کو بھول کر بھی یاد نہ کرے۔''

(ب) ''ڈھنڈورا شہر میں بچّہ بغل میں''

سوال۵: درج ذیل الفاظ اور محاوروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

لٹّو ہونا - دریغ نہ کرنا - شُستہ - نالاں - قباحت
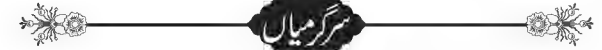
(۱) طلبہ کمرۂ جماعت میں یہ سبق ڈرامائی انداز میں پیش کریں۔

(۲) طلبہ ''اچھی عادات'' کا چارٹ بنا کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

❁ ناول سادہ زبان میں ایسی کہانی کو کہتے ہیں جس میں انسانی زندگی کے معمولی اور روزانہ پیش آنے والے واقعات کو دل چسپ انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔ پلاٹ، منظر نگاری، کردار نگاری، مکالمہ نگاری اس کے بنیادی عناصر ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو ناول نگاری کے بنیادی فنی نکات سے آگاہ کیجیے۔

(۲) اپنی نگرانی میں اس سبق کا ڈراما تیار کرائیے۔

(۳) ناول کے بارے میں دی گئی تعریف کی وضاحت کیجیے۔

مُنشی پریم چند

ولادت: ۱۸۸۰ء وفات: ۱۹۳۶ء

آپ کا اصل نام دَھنپَت رائے تھا۔ ضلع بنارس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ والد مُنشی عجائب لال ڈاک خانے میں کلرک تھے۔ پریم چند نے ایک مولوی صاحب سے فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔ جب کہ انگریزی تعلیم بنارس میں حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر ایک پرائمری اسکول میں استاد ہو گئے۔ ۱۹۰۸ء میں ڈپٹی انسپکٹر مدارِس ہو گئے۔ پریم چند کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۰۱ء سے ہوا۔ آپ نے مُنشی دیانرائن نگم کے رسالے ''زمانہ'' میں مضامین لکھے۔ پھر افسانہ نگاری اور ناول نگاری کی طرف توجُّہ دی۔ پریم چند نے غریبوں کے حالات و واقعات کو اپنے افسانوں اور ناولوں کا موضوع بنایا۔ پریم چند کا شمار اردو کے اوّلین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ''سوزِ وطن، واردات، بیوہ، زادِ راہ، نرملا، میدانِ عمل، گئو دان، پریم بتیسی، پریم پچیسی، پریم چالیسی اور چوگانِ ہستی'' اُن کی مشہور تصانیف ہیں۔ اُنھوں نے کُل ۲۹ ناول لکھے۔
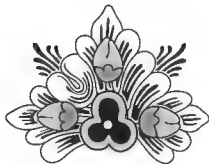
بُوڑھی کاکی

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مرکّبِ ناقص اور مرکّبِ تام میں فرق کر سکیں۔ (۲) مباحثوں اور مذاکروں میں موضوع کے حق یا مخالفت میں حصّہ لے سکیں۔ (۳) کسی نثر پارے کی فِکری وفنّی خوبیوں کو پیشِ نظر رکھ کر خلاصہ لکھ سکیں۔ (۴) اپنی گفتگو میں احساس، جذبے اور تاثر کے حوالے سے شدّت اور زیر و بم کا لحاظ کر سکیں۔

بڑھاپا بچپن کا دورِ ثانی ہوا کرتا ہے۔ بوڑھی کاکی میں ذائقے کے سوا کوئی حِس باقی نہ تھی۔ آنکھیں، ہاتھ، پیر سب جواب دے چکے تھے۔ زمین پر پڑی رہتیں اور جب گھر والے کوئی بات ان کی مرضی کے خلاف کرتے، کھانے کا وقت ٹل جاتا یا مقدار کافی نہ ہوتی یا بازار سے کوئی چیز آتی اور انھیں نہ ملتی تو رونے لگتی تھیں اور ان کا رونا محض بِسُورنا نہ تھا۔ وہ بہ آوازِ بلند روتی تھیں۔ ان کے شوہر کو مَرے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا۔ سات بیٹے جوان ہو ہو کر داغ دے گئے اور اب ایک بھتیجے کے سوا دنیا میں ان کا کوئی نہ تھا۔ اسی بھتیجے کے نام انھوں نے ساری جائداد لکھ دی تھی۔ اِن حضرت نے لکھاتے وقت تو خوب لمبے چوڑے وعدے کیے لیکن وہ وعدے صرف سبز باغ تھے۔ اس جائداد کی سالانہ آمدنی ڈیڑھ دو سو روپے سے کم نہ تھی، لیکن بوڑھی کاکی کو اب پیٹ بھر روکھا دانہ بھی مشکل سے ملتا۔ بدھ رام طبیعت کے نیک آدمی تھے، لیکن اسی وقت تک کہ ان کی جیب پر کوئی آنچ نہ آئے۔ رُوپا طبیعت کی تیز تھی لیکن ایشور سے

ڈرتی تھی، اس لیے بوڑھی کاکی پر اس کی تیزی اتنی نہ کَھلتی تھی جتنی بدھ رام کی نیکی۔

بدھ رام کو کبھی کبھی اپنی بے انصافی کا احساس ہوتا۔ وہ سوچتے کہ اس جائداد کی بہ دولت میں اس وقت بھلا آدمی بنا بیٹھا ہوں اور اگر زبانی تسکین یا تشفّی سے صورتِ حال میں کچھ اصلاح ہوسکتی تو انھیں مُطلَق دریغ نہ ہوتا، لیکن مزید خرچ کا خوف ان کی نیکی کو دبائے رکھتا تھا۔

سارے گھر میں اگر کسی کو کاکی سے محبت تھی تو وہ بدھ رام کی چھوٹی لڑکی لاڈلی تھی۔ لاڈلی اپنے دونوں بھائیوں کے خوف سے اپنے حصّے کی مٹھائی بوڑھی کاکی کے پاس بیٹھ کر کھایا کرتی تھی۔

رات کا وقت تھا۔ بدھ رام کے دروازے پر شہنائی بج رہی تھی اور گاؤں کے بچوں کا جمِّ غفیر نگاہِ حیرت سے گانے کی داد دے رہا تھا۔ چار پائیوں پر مہمان لیٹے ہوئے نائیوں سے ٹکیاں لگوا رہے تھے۔ بدھ رام کے لڑکے سکھ رام کا تِلک آیا ہے۔ یہ اُسی کا جشن ہے۔ گھر میں مستورات گا رہی تھیں اور رُوپا مہمانوں کی دعوت کا سامان کرنے میں مصروف تھی۔

بوڑھی کاکی اپنی اندھیری کوٹھری میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ لذّت آمیز خوش بو انھیں بے تاب کر رہی تھی۔ وہ دل میں سوچتی تھیں شاید مجھے پوریاں نہ ملیں گی۔ اتنی دیر ہوگئی کوئی کھانا لے کر نہیں آیا۔

بوڑھی کاکی کے چشمِ خیال میں پوریوں کی تصویر ناچنے لگی۔ خوب لال لال پھولی پھولی نرم نرم ہوں گی۔ کچوریوں میں اَجوائن اور الائچی کی مہک آ رہی ہوگی۔ ایک پوری ملتی تو ذرا ہاتھ میں لے کر دیکھتی۔ کیوں نہ چل کر کڑاہ کے سامنے ہی

بیٹھوں۔ پوریاں چھُن چھُن کڑاہ میں تیرتی ہوں گی۔ کڑاہ سے گرما گرم نکل کر کٹھوتی میں رکھی جاتی ہوں گی۔

اس طرح فیصلہ کر کے بوڑھی کاکی اُکڑوں بیٹھ کر، ہاتھوں کے بَل کھِسکتی ہوئی بہ مشکل تمام چوکھٹ سے اُتریں اور دِھیرے دِھیرے رَینگتی ہوئی کڑاہ کے پاس جا بیٹھیں۔ رُوپا اس وقت ایک سراسیمگی کی حالت میں تھی۔ اِس کمرے میں جاتی، کبھی اُس کمرے میں۔ کبھی کڑاہ کے پاس کبھی کوٹھے پر۔ کسی نے باہر سے آ کر کہا: ''مہاراج ٹھنڈائی مانگ رہے ہیں۔'' ٹھنڈائی دینے لگی۔ اتنے میں پھر کسی نے کہا: ''بھاٹ آیا ہے، اسے کچھ دے دو۔'' بھاٹ کے لیے سُدھا نکال رہی تھی کہ ایک تیسرے آدمی نے آ کر پوچھا کہ ابھی کھانا تیار ہونے میں کتنی دیر ہے؟

ذرا ڈھول مجیرا اُتار دو۔ بے چاری اکیلی عورت چاروں طرف دوڑتے دوڑتے حیران ہو رہی تھی۔ جھُنجھلاتی تھی، کُڑھتی تھی، پر غصہ باہر نکلنے کا موقع نہ پاتا تھا۔ خوف ہوتا تھا کہ کہیں پڑوسنیں یہ نہ کہنے لگیں کہ اتنے ہی میں اُبل پڑیں۔ پیاس سے خود اس کا حلق سوکھا جاتا تھا۔ گرمی کے مارے پھُنکی جاتی تھی لیکن اتنی فرصت کہاں کہ ذرا پانی پی لے یا پنکھا لے کر جھلے۔ یہ بھی اندیشہ تھا کہ ذرا نگاہ پلٹی اور چیزوں کی لُوٹ مچی۔ اس کش مکش کے عالم میں اس نے بوڑھی کاکی کو کڑاہ کے پاس بیٹھے دیکھا تو جل گئی۔ غصہ نہ رُک سکا، یہ خیال نہ رہا کہ پڑوسنیں بیٹھی ہوئی ہیں، دل میں کیا کہیں گی۔ مردانے میں لوگ سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔ جیسے مینڈک کیچوے پر جھپٹتا ہے اسی طرح وہ بوڑھی کاکی پر جھپٹی اور انھیں دونوں ہاتھوں سے جھنجھوڑ کر بولی: ''ایسے پیٹ میں آگ لگے، پیٹ ہے کہ آگ کا کُنڈ ہے۔ کوٹھری میں بیٹھے کیا دم گھٹتا تھا۔ ابھی

مہمانوں نے نہیں کھایا۔ تب تک صبر نہ ہو سکا۔ آ کر چھاتی پر سوار ہو گئیں۔ گاؤں دیکھے گا تو کہے گا کہ بڑھیا، بھر پیٹ کھانے کو نہیں پاتی، تب ہی تو اس طرح بوکھلائے پھرتی ہے۔'' اس خیال سے اس کا غصہ اور بھی تیز ہو گیا۔ ''نام بیچنے پر لگی ہے، ناک کٹوا کے دم لے گی۔ اتنا ٹھُونستی ہے، نہ جانے کہاں بھَسم ہو جاتا ہے۔ بھلا چاہتی ہو تو جا کر کوٹھری میں بیٹھو۔ جب گھر کے لوگ لگیں گے تو تمھیں بھی ملے گا۔''

بوڑھی کاکی نے سر نہ اٹھایا۔ نہ روئیں نہ بولیں، چُپ چاپ رَینگتی ہوئی وہاں سے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

لاڈلی کو کاکی سے بہت اُنس تھا۔ بھولی بھالی، سیدھی لڑکی تھی۔ طِفلانہ شوخی اور مَسرّت کی اس میں بُو تک نہ تھی۔ وہ جُھنجلا رہی تھی کہ یہ لوگ کاکی کو کیوں بہت ساری پوریاں نہیں دے دیتے۔ مہمان سب کی سب تھوڑے ہی کھا جائیں گے اور اگر کاکی نے مہمانوں سے پہلے ہی کھا لیا تو کیا بگڑ جائے گا؟ وہ کاکی کے پاس جا کر انھیں تشفّی دینا چاہتی تھی، لیکن ماں کے خوف سے نہ جاتی تھی۔ اس نے اپنے حصے کی پوریاں مُطلق نہ کھائیں۔ اپنی گُڑیوں کی پِٹاری میں بند کر رکھی تھیں۔ وہ یہ پوریاں کاکی کے پاس لے جانا چاہتی تھی۔ اس کا دل بے قرار ہو رہا تھا۔ بوڑھی کاکی میری آواز سنتے ہی اٹھ بیٹھیں گی۔ پُوریاں دیکھ کر کیسی خوش ہوں گی۔ مجھے خوب پیار کریں گی۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ رُوپا آنگن میں سو رہی تھی۔ لاڈلی کی آنکھوں میں نیند نہ آتی تھی۔ کاکی کو پوریاں کھلانے کی خوشی اسے سونے نہ دیتی تھی۔ اس نے گُڑیوں کی پٹاری سامنے ہی رکھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اماں غافل سو رہی ہیں تو وہ چپکے سے اُٹھی اور سوچنے لگی کہ کیسے چلوں۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ صرف

چولھوں میں آگ چمک رہی تھی۔ لاڈلی کی نگاہ دروازے والے نیم کے درخت کی طرف گئی۔ مارے خوف کے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں کتا اُٹھ بیٹھا۔ لاڈلی کو ڈھارس ہوئی۔ کئی سوتے ہوئے آدمیوں کی نسبت ایک جاگتا ہوا کتا اس کے لیے زیادہ تقویت کا باعث ہوا۔ اُس نے پِٹاری اٹھائی اور بوڑھی کاکی کی کوٹھری کی طرف چلی۔

"کاکی اُٹھو میں پُوریاں لائی ہوں۔" کاکی نے لاڈلی کی آواز پہچانی۔ چُٹ پُٹ اُٹھ بیٹھیں۔ دونوں ہاتھوں سے لاڈلی کو ٹٹولا اور اسے گود میں بٹھالیا۔ لاڈلی نے پُوریاں نکال کر دیں۔ کاکی نے پوچھا: "کیا تمھاری امّاں نے دی ہیں؟"

کاکی پوریوں پر ٹوٹ پڑیں۔ پانچ منٹ میں پٹاری خالی ہوگئی۔ لاڈلی نے پوچھا: "کاکی پیٹ بھر گیا؟"

جیسے تھوڑی سی بارش ٹھنڈک کی جگہ اور بھی حبس پیدا کر دیتی ہے، اسی طرح اِن چند پوریوں نے کاکی کی اِشتہا اور رغبت کو اور بھی تیز کر دیا تھا۔ بولیں: "نہیں! بیٹی جا کے امّاں سے اور مانگ لاؤ۔"

کاکی نے پٹاری کو پھر ٹٹولا۔ اس میں چند ریزے گرے تھے، انھیں نکال کر کھا گئیں۔ یکایک لاڈلی سے بولیں: "میرا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے چلو جہاں مہمانوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔"

لاڈلی ان کا منشا نہ سمجھ سکی۔ اس نے کاکی کا ہاتھ پکڑا اور انھیں لا کر جُھوٹے پتّلوں کے پاس بٹھا دیا اور غریب بھوک کی ماری فاترُ العقل بڑھیا پتّلوں سے پوریوں کے ٹکڑے چُن چُن کر کھانے لگی۔

عین اسی وقت رُوپا کی آنکھ کھلی۔ اسے معلوم ہوا کہ لاڈلی میرے پاس نہیں ہے۔ چونکی، چارپائی کے اِدھر اُدھر تاکنے لگی کہ کہیں لڑکی نیچے تو نہیں گر پڑی۔ اُسے وہاں نہ پا کر وہ اُٹھ بیٹھی، تو کیا دیکھتی ہے کہ لاڈلی جھوٹے پتّلوں کے پاس چُپ چاپ کھڑی ہے اور بوڑھی کاکی پتّلوں پر سے پوریوں کے ٹکڑے اُٹھا اُٹھا کر کھا رہی ہے۔ رُوپا کا کلیجا سُن سا ہو گیا۔

رُوپا کو اپنی خودغرضی اور بے انصافی آج تک کبھی اتنی صفائی سے نظر نہ آئی تھی۔ ہائے! میں کتنی بے رحم ہوں۔ جس کی جائداد سے مجھے دو سو روپے سال کی آمدنی ہو رہی ہے، اس کی یہ دُرگت، اور میرے کارَن! مجھ سے بڑا بھاری گناہ ہوا ہے۔ آج میرے بیٹے کا تِلک تھا، سیکڑوں آدمیوں نے کھانا کھایا، میں ان کے اشارے کی غلام بنی ہوئی تھی، اپنے نام کے لیے، اپنی بڑائی کے لیے سیکڑوں روپے خرچ کر دیے، لیکن جس کی بہ دولت ہزاروں روپے کھائے، اسے اس تقریب کے دن بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ دے سکی، محض اس لیے نا کہ وہ بڑھیا ہے، بے کس ہے، بے زبان ہے۔

اُس نے چراغ جلایا، اپنے بَھنڈارے کا دروازہ کھولا اور ایک تھالی میں کھانے کی سب چیزیں سجا کر لیے ہوئے بوڑھی کاکی کی طرف چلی۔ آدھی رات ہو چکی تھی، آسمان پر تاروں کے تھال سجے ہوئے تھے اور ان پر بیٹھے ہوئے فرشتے بہشتی نعمتیں سجا رہے تھے، لیکن ان میں کسی کو وہ مَسرّت نہ حاصل ہو سکتی تھی جو بوڑھی کاکی کو اپنے سامنے تھال دیکھ کر ہوئی۔ رُوپا نے رِقّت آمیز لہجے میں کہا:

"کاکی اٹھو! کھانا کھا لو۔ مجھ سے آج بڑی بُھول ہوئی۔ اس کا برا نہ ماننا، پرماتما سے دعا کرو کہ میری خطا معاف کر دے۔"

بھولے بھالے بچّے کی طرح جو مٹھائیاں پا کر مار اور گھُڑکیاں سب بھول جاتا ہے، بوڑھی کاکی بیٹھی ہوئی کھانا کھا رہی تھیں، ان کے ایک ایک رُوئیں سے سچّی دعائیں نکل رہی تھیں اور رُوپا بیٹھی یہ روحانی نظارہ دیکھ رہی تھی۔

(ماخوذ از: ''پریم چند کے منتخب افسانے'')

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) بوڑھی کاکی نے اپنی ساری جائداد بُدھ رام کے نام کیوں لکھ دی تھی؟

(ب) بدھ رام نے جائداد حاصل کرنے کے بعد بوڑھی کاکی سے کیسا سلوک کیا؟

(ج) بدھ رام کے گھر میں کس بات کا جشن منایا جا رہا تھا؟

(د) بوڑھی کاکی بھوک سے بے تاب ہو کر جب کڑاہ کے پاس پہنچی تو روپا نے اُن کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟

(ہ) لاڈلی نے اپنی گڑیوں کی پٹاری میں پوریاں کیوں چھپائی تھیں؟

(و) پوریوں کے ٹکڑے چُن چُن کر کھاتے دیکھ کر روپا کا کیا حال ہوا؟

(ز) روپا نے بوڑھی کاکی کو کھانے کا تھال دے کر کیا کہا؟

سوال۲: اس افسانے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

سوال۳: اس افسانے کی فکری اور فنّی خوبیاں بیان کیجیے۔

سوال۴: درج ذیل الفاظ اور محاورات اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

جمِ غفیر - اِشتہا - ناک کٹوانا - بھنڈارے - نام بیچنا - سبز باغ دکھانا

سوال۵: درج ذیل میں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) بڑھاپا دورِ ثانی ہوا کرتا ہے:

(۱) طُفولت کا (۲) بچپن کا (۳) بُلوغت کا (۴) جوانی کا

(ب) بڑھیا کے جوان بیٹے مر گئے تھے:

(۱) پانچ (۲) چھ (۳) سات (۴) آٹھ

(ج) بدھ رام آدمی تھے:

(۱) چالاک (۲) مکار (۳) نیک (۴) بے وقوف

(د) روپا سو رہی تھی:

(۱) آنگن میں (۲) کمرے میں (۳) کوٹھری میں (۴) برآمدے میں

(ہ) بدھ رام کی چھوٹی لڑکی تھی:

(۱) من چلی (۲) لاڈلی (۳) ضدی (۴) چنچل

✻ ان جملوں کو غور سے پڑھیے:

۱- اتنی دیر ہو گئی کوئی کھانا لے کر نہیں آیا ۲- لمبے چوڑے وعدے

۳- اکیلی عورت ۴- بڑھاپا بچپن کا دورِ ثانی ہوتا ہے

۵- سبز باغ ۶- اب پیٹ بھر روکھا دانہ بھی مشکل سے ملتا ہے

اوپر دیے گئے جملوں میں کچھ جملے مکمل ہیں۔ ان میں بات بھی پوری ہو رہی ہے اور مطلب بھی پورے طور پر واضح ہو رہا ہے۔ لفظوں کے ایسے مجموعے کو جس میں لفظوں کے درمیان تعلق اور لگاؤ پایا جائے، اسے مرکّبِ تام کہتے ہیں۔ جملہ ۱، ۴ اور ۶ مرکّبِ تام کے جملے ہیں۔ اس کے برعکس جملہ ۲، ۳ اور ۵ میں بات پوری نہیں ہو رہی اور مطلب بھی پورے طور پر واضح نہیں ہو رہا۔ ایسے لفظوں کے مجموعے کو مرکّبِ ناقص کہتے ہیں۔

سوال ۶: آپ اس سبق میں سے مرکّبِ تام اور مرکّبِ ناقص کی تین تین مثالیں تلاش کر کے لکھیے۔

سوال ۷: درج ذیل پیرا، احساس، جذبے، تاثر اور زیر و بم کا خیال رکھتے ہوئے بلند آواز سے پڑھیں:

''رُوپا کو اپنی خود غرضی اور بے انصافی آج تک کبھی اتنی صفائی سے نظر نہ آئی تھی۔ ہائے! میں کتنی بے رحم ہوں۔ جس کی جائداد سے مجھے دو سو روپے سال کی آمدنی ہو رہی ہے، اس کی یہ دُرگت، اور میرے کارن، آج سیکڑوں آدمیوں نے کھانا کھایا، میں ان کے اشارے کی غلام بنی ہوئی تھی، اپنے نام کے لیے، اپنی بڑائی کے لیے سیکڑوں روپے خرچ کر دیے، لیکن جس کی بہ دولت ہزاروں روپے کھائے، اسے اس تقریب کے دن بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ دے سکی، محض اس لیے نا کہ وہ بڑھیا ہے، بے کس ہے، بے زبان ہے۔''

سرگرمیاں

(۱) عیدِ قرباں اور ہماری ذمے داریوں کے موضوع پر طلبہ کلاس میں تین سے چار منٹ کی تقریر کریں۔

(۲) طلبہ لاڈلی کے کردار پر روشنی ڈالیں۔

✡ افسانہ جس کو Short Story بھی کہا جاتا ہے، اس سے مراد نثر میں ایک مختصر سادہ قصہ ہے جس میں زندگی کے ایک پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہو۔ اردو میں مختصر افسانہ انگریزی زبان و ادب کے وسیلے سے آیا۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو افسانے کی ہیئت اور فنّی و فکری انداز کے بارے میں بتائیے۔
(۲) مذکورہ پیرا پڑھنے کے دوران طلبہ کی ضروری رہ نمائی کرتے رہیے۔
(۳) ناول اور افسانے میں فرق بتائیے۔

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ

ولادت: ۱۹۱۷ء وفات: ۲۰۱۱ء

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ سندھ کے ایک گاؤں جعفر خان لغاری ضلع سانگھڑ میں پیدا ہوئے۔ آپ ابھی چھے مہینے کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی تربیت والدہ اور چچا نے کی۔ انھوں نے ایم اے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اور ایجوکیشن میں کولمبیا یونی ورسٹی سے پی ایچ-ڈی کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے قیامِ پاکستان کے بعد علامہ آئی آئی قاضی کی سربراہی میں ''یونی ورسٹی آف سندھ'' کی ترقی اور تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے ''اردو سندھی لغت ، اور سندھی اردو لغت'' ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے ساتھ تیار کی۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی پر تحقیقی مجلّے، سندھی موسیقی، سندھی ادب کی تاریخ اور لوک ادب پر کتابیں لکھی ہیں۔ وہ نہ صرف ''سندھی بلکہ انگریزی عربی، فارسی، سرائیکی اور اُردو'' کے بھی ماہر تھے۔ سندھ کے اس عظیم فرزند کو، ان کی وصیّت کے مطابق یونی ورسٹی آف سندھ میں علامہ آئی۔ آئی۔ قاضی کی قبر کے برابر دفن کیا گیا۔ موجودہ کہانی ''سیانا بادشاہ'' آپ کی تحریر کردہ کتاب لوک کہانیاں سے لی گئی ہے۔

سیانا بادشاہ

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) ماورائی کرداروں کے بارے میں جان سکیں۔
(۲) لوک کہانی سے محظوظ ہو سکیں۔ (۳) لفظی اشاروں اور تصویروں کی مدد سے کہانی لکھ سکیں۔

ایک شخص تھا جس کے پاس بے شمار دھن دولت تھی۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ ایک بار وہ سخت بیمار ہوا۔ بہت علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب بچنا محال دیکھا تو سوچا کہ میری جو بھی ملکیت ہے وہ ابھی اپنے لڑکوں میں تقسیم کر دوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے مرنے کے بعد آپس میں لڑ کر جدا ہو جائیں۔ یہ سوچ کر اس نے چار دیگیں منگوائیں اور اپنی ملکیت کے حصے کیے۔ کچھ ایک میں، کچھ دوسری میں، اسی طرح چاروں دیگوں میں کچھ نہ کچھ ڈال کر چاروں دیگیں جدا جدا، اپنی کھاٹ کے چاروں پایوں تلے گاڑ دیں۔

جب سکرات کا وقت آیا تو چاروں بیٹوں کو بلا کر کہا:

''بیٹا! دَھن دولت ایسی شے ہے، جس کی وجہ سے ہمیشہ خُون خَرابہ ہوتا ہے۔ میں نے اپنی ساری ملکیت چار حصوں میں تقسیم کر دی ہے اور چاروں حصے الگ الگ اپنی چار پائی کے چار پایوں کے نیچے دفن کر دیے ہیں۔ میرے لیے تم چاروں ہی آنکھوں کے تارے ہو۔ اپنی

ملکیت کا کوئی بھی حصہ میں نے چھوٹا بڑا نہیں کیا ہے۔ اس لیے تم میں سے ہر ایک، میرے رُو بہ رُو اپنا اپنا پایا مقرر کر لو اور میرے مرنے کے بعد ان کے نیچے جو بھی گڑا ہوا ہو سو کھود کر نکال لینا۔''

لڑکوں نے باپ کی یہ بات منظور کر لی۔ پھر قُرعہ اندازی کر کے ہر ایک نے اپنا اپنا پایا مقرر کر لیا۔

جب ساہوکار مر گیا تو چاروں بھائیوں نے کھاٹ کے اپنے اپنے پائے تلے سے زمین کھودی، دھن کی دیگ باہر نکالی۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک دیگ میں ہیرے جواہرات رکھے ہیں، دوسری سونے سے بھری ہے اور تیسری چوتھی میں کچھ بھی نہیں! ایک میں صرف مُٹھی بھر مٹّی پڑی ہے اور دوسری میں دو چار سوکھی ہڈیاں ہیں۔ جن لڑکوں کو ہیرے جواہرات اور سونے کی دیگیں ملیں، وہ تو بڑے خوش ہوئے۔ باقی دو لڑکوں کو جو مٹّی اور ہڈیوں کی دیگیں ملیں وہ سخت ناراض ہوئے اور بھائیوں سے کہا: ''اس مٹّی اور ہڈیوں کا ہم کیا کریں گے؟ ہم اصل ملکیت سے ضرور حصّہ لیں گے۔''
اس پر پہلے دو بھائیوں نے کہا:

''بابا اپنے ہاتھوں سے ملکیت تقسیم کر گئے ہیں اور تم نے خود وہ ملکیت قبول کی تھی اور اپنی خوشی سے اپنے پائے مقرر کیے تھے۔ اب کیا ہوگا؟''

آخر اُن کی تکرار بڑھنے لگی اور بات چار معتبر لوگوں تک پہنچی۔ لیکن وہ بھی کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکے اور بولے: ''اس میں کوئی راز ہے، لہٰذا کسی دانا شخص سے انصاف کراؤ۔'' سبھی بھائی اس پر راضی ہو گئے اور کسی دانا شخص کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن ایسا کوئی دانا شخص نہ ملا جو فیصلہ کر سکتا۔ تب وہ چاروں ساتھ ساتھ ملک کے بادشاہ کے

پاس انصاف کے لیے گئے۔

بادشاہ ان کی بات سُن کر پہلے تو سوچ میں پڑ گیا، لیکن پھر بھید کی گُتھی سُلجھاتے ہوئے بولا:

"تمھارے باپ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔ ہیرے جواہر والا ہیرے جواہر لے لے اور سونے والا سونا لے لے، جسے مٹی کی دیگ ملی ہے، وہ باپ کی زمین سنبھالے اور جسے ہڈیاں ہاتھ آئی ہیں، وہ چوپائے مال کا مالک ہے۔"

بادشاہ کا یہ فیصلہ سن کر چاروں بھائی بہت خوش ہوئے اور اُس کی شکرگزاری کی۔ چاروں بھائی بادشاہ کی دانش اور دانائی کی تعریف کرنے لگے اور دعائیں دیتے اپنے گھر آ پہنچے اور آپس میں پیار محبت سے رہنے لگے۔

(ماخوذ از: لوک کہانیاں: حصّہ اوّل مترجم: ڈاکٹر سعدیہ نسیم آراسرتاج)

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ساہوکار نے اپنے بیٹوں میں ملکیت کس طرح تقسیم کی؟

(ب) ساہوکار کے دو بیٹے کس بات پر سخت ناراض ہوئے؟

(ج) چاروں بھائی فیصلے کے لیے کس کے پاس گئے؟

(د) بادشاہ نے کیا فیصلہ کیا؟

(ہ) اس کہانی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

سوال ۲: درج ذیل خالی جگہیں پُر کیجیے:

(الف) ایک ساہوکار کے .... بیٹے تھے۔

(۱) تین (۲) چار (۳) پانچ (۴) چھے

(ب) چار دیگیں .... پایوں کے نیچے دفن ہیں۔

(۱) کھاٹ کے (۲) چارپائی کے (۳) کرسی کے (۴) میز کے

(ج) ہر ایک .... نے کر کے اپنا اپنا پایا مقرر کر لیا۔

(۱) اتحاد (۲) جھگڑا (۳) قرعہ اندازی (۴) یکجہتی

(د) ایک میں صرف مُٹھی بھر .... پڑی ہے۔

(۱) ریت (۲) دال (۳) مٹی (۴) گندم

سوال ۳: ذیل کے کالم "الف" کو کالم "ب" سے ملائیے:

	کالم "الف"	کالم "ب"
۱)	ساہوکار نے اپنی ملکیت	سونے سے بھری ہے۔
۲)	دوسری دیگ	باپ کی زمین سنبھالے۔
۳)	جسے مٹی کی دیگ ملی وہ	پیار محبت سے رہنے لگے۔
۴)	چاروں بھائی آپس میں	چوپائے مال کا مالک ہے۔
۵)	جسے ہڈیاں ملیں وہ	بیٹوں میں تقسیم کر دی۔

سوال ۴: دیے ہوئے لفظی اشاروں کی مدد سے واقعہ مکمل کیجیے:

سبکتگین، غلام، شکار، ہرن کا بچہ، پیچھے دیکھنا، ہرنی، رحم، چھوڑنا، خواب، بزرگ، سلطنت، موت، انتخاب، تخت

سوال ۵: درج ذیل درست بیانات کے آگے (✓) کا نشان لگائیے:

۱) ساہوکار نے سکرات کے عالم میں بیٹوں کو بلایا۔ (   )

۲) ساہوکار نے ساری ملکیت دو دیگوں میں ڈالی۔ (   )

۳) چاروں بیٹوں میں ملکیت برابر تقسیم ہوئی۔ (   )

۴) بادشاہ نادان تھا۔ (   )

۵) بات چار معتبر لوگوں تک پہنچی۔ (   )

(۱) طلبہ کسی بھی اخبار یا رسالے سے لوک کہانی لے کر اپنی ڈائری میں چسپاں کریں۔

(۲) مختلف رسالوں سے تصاویر وغیرہ کی مدد سے کہانی لکھیں۔

✲ لوک کہانیاں نظم میں بھی ہوتی ہیں اور نثر میں بھی، لوک کہانیاں عوام کے خیالات کی ترجمان ہوتی ہیں، تحریری شکل کی بجائے سینہ در سینہ دوسری نسل تک پہنچتی ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) کہانی لکھنے اور کہانی سنانے میں بچوں کی مدد کیجیے۔

(۲) لوک کہانی ڈرامائی انداز میں بچوں کو سنائیے۔

میرزا ادیب

ولادت: ۱۹۱۶ء وفات: ۱۹۹۹ء

میرزا ادیب کا نام میرزا دلاور حسین علی، قلمی نام میرزا ادیب ہے۔ والد کا نام میرزا بشیر علی تھا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے آپ نے بی۔ اے۔ آنرز کا امتحان پاس کیا۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے آپ کو لکھنے لکھانے کا شوق تھا۔ اس لیے مختلف رسائل میں مضامین لکھے۔ رسالہ ''ساقی'' میں افسانہ نگاری شروع کی۔ مشہور رسالے ''ادبی دنیا'' میں بھی آپ کے مضامین اور افسانے شایع ہوئے۔ آپ رسالہ ''ادبِ لطیف'' کے مدیر بھی رہے۔ اس دوران آپ ریڈیو کے لیے اسکرپٹ بھی لکھنے لگے۔ ایک ایکٹ کے ڈرامے لکھنے میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ آپ کی شہرت کی ایک وجہ آپ کی کتاب ''صحرا نوَرد کے خطوط'' بھی ہے۔

''جنگل، کمبل، خاک نشیں، ناخن کا قرض، مٹّی کا دِیا، صحرا نوَرد کے رومان، آنسو اور ستارے، شیشہ میرے سنگ، فن کار، خوابوں کے مسافر، ستون، لہو اور قالین اور پسِ پردۂ فصیلِ شب، شیشے کی دیوار اور ماموں جان'' آپ کی مشہور تخلیقات ہیں۔
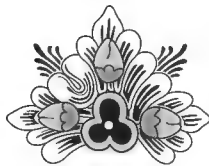
شہید

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مکالمہ لکھ سکیں۔ (۲) نئے الفاظ پر اعراب لگا سکیں۔
(۳) نئے الفاظ جملوں میں استعمال کر سکیں۔

زمانہ: ۶/ستمبر ۱۹۶۶ء

مقام: شہر قصور کی ایک نواحی بستی

جائے وقوع: ایک دو منزلہ مکان کا نچلا کمرہ

وقت: شام

کردار: رضیہ (گیارہ بارہ سال کی ایک لڑکی)، ماں، باپ، شاداں اور ایک سایہ۔

منظر: کمرے کو دیکھ کر یہ تأثر ہوتا ہے کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی بھارتی بم باری سے یہ مکان کافی حد تک متاثر ہو چکا ہے اور اب گھر والے بھی اس کی آرایش اور رکھ رکھاؤ کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ کمرے میں مختصر سا سامان ہے۔ وہ بھی کسی ترتیب سے نہیں رکھا گیا۔ ایک میز پر دو گل دان پھولوں سے یک سر خالی پڑے ہیں۔ چائے کی ٹرے میں دو تین خالی پیالیاں اور ایک پلیٹ پڑی ہے۔ دیوار پر جاوید کی ایک فٹ سے کچھ کم چوڑی تصویر کے رنگین فریم پر ایک سنہری ہار پڑا ہے۔

رضیہ میز کے پاس ایک کرسی پر اس انداز سے بیٹھی ہے کہ اس کا منہ میز کے سرے پر جُھکا ہوا ہے۔ بازو سے اس نے اپنے سر اور چہرے کو حلقے میں لے رکھا ہے۔ اس کا

جسم مسلسل کانپ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے سِسکیاں بھر رہی ہے۔

صحن سے ماں کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ چالیس کے لگ بھگ عمر، اداس چہرہ، غم ناک آنکھیں۔ وہ بیٹی پر آنکھیں جمائے آگے بڑھتی ہے۔ اس کے پاس آ کر، جھک کر آہستہ سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتی ہے۔ رضیہ کی کپکپاہٹ اور بڑھ جاتی ہے۔

ماں: رضیہ! نہ بیٹی نہ، رومت۔

رضیہ: امی — ام م ی

ماں: اُٹھ بیٹھو بیٹی، میری رانی اٹھو۔ (اس کے دائیں بازو پر ہاتھ رکھ دیتی ہے) اٹھ بیٹھو رضیہ! (رضیہ اٹھنے لگتی ہے۔ بہ دستور سِسکیاں بھر رہی ہے۔ آنکھیں سُوج رہی ہیں۔ اٹھ کر، نظریں جھکائے کھڑی ہو جاتی ہے)

ماں شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہے۔ رضیہ لمحہ بھر کے لیے ماں کو دیکھتی ہے، پھر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر، روتی ہوئی ماں سے لپٹ جاتی ہے۔

ماں: بیٹی! بس اب چپ ہو جا۔ (رضیہ باہر جانے لگتی ہے۔ ماں غم گین نگاہوں سے اسے دیکھتی رہتی ہے)

اتنے میں باپ صحن کے دروازے سے اندر آتا ہے۔ اَدھیڑ عمر کا آدمی آنکھوں پر عینک، ہاتھ میں چھڑی، کُرتے پاجامے اور واسکٹ میں ملبوس، چہرہ افسردہ مگر افسردگی پر قابو پائے ہوئے۔

باپ: فاطمہ!

ماں: (ٹرے وہیں رکھ دیتی ہے۔ شوہر کی طرف دیکھتی ہے) آپ کہاں چلے گئے تھے؟

باپ: کہیں نہیں، یہیں تھا۔ رضیہ کہاں ہے؟

ماں: میں اندر آئی تو میز پر سر رکھے رو رہی تھی۔

باپ: بچی ہے نا، صبر آتے آتے آئے گا۔

ماں: اور آج کے دن تو زخم تازہ ہو گئے ہیں ہم سب کے۔

باپ: (تصویر کی طرف دیکھ کر) یہ ہار کس نے ڈالا ہے؟ (آگے بڑھ کر چھڑی رکھ دیتا ہے اور تصویر کو قریب سے دیکھنے لگتا ہے۔)

ماں: رضیہ نے۔ بھائی کے گلے میں تو نہ ڈال سکی۔ اس کی تصویر...... (فقرہ پورا نہیں کر پاتی۔ دوپٹے کے پلّو سے آنسو پونچھنے لگتی ہے)

باپ: یہ سعادت دنیا میں بہت خوش قسمت کے حصے میں آتی ہے۔ شہادت کو تم کیا سمجھتی ہو؟ وطن کی خاطر جان دے دینا، یہ شَرَف ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے!

ماں: تصویر اٹھا کر کہیں چھپا نہ دُوں اسے۔ (تصویر اٹھانے لگتی ہے کہ رضیہ کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ ماں شوہر کی طرف دیکھتی ہے جو اشارے سے تصویر کو وہیں رہنے دینے کے لیے کہتا ہے)

رضیہ آگے بڑھتی ہے اور تصویر پر ہار کو ترتیب دے کر اسے درست کرتی ہے۔

ماں اور باپ دم بہ خود اسے دیکھتے رہتے ہیں۔

باپ: تم نے پرسوں کہا تھا، ٹافیاں لیتا آؤں۔ چلو، جو تمھیں اچھی لگیں، لے لینا۔

رضیہ کچھ سوچ کر قدم اٹھاتی ہے اور باپ بیٹی دونوں دروازے سے نکل جاتے ہیں۔

ماں پھر تصویر کو دیکھنے لگتی ہے۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلتا ہے ''اُف میرے اللہ''! (صحن کے دروازہ سے شاداں کی آواز آتی ہے۔) رضیہ! رضیہ!

ماں مُڑ کر دیکھتی ہے اور کہتی ہے: ''آجاؤ شاداں، میں یہاں ہوں''۔

شاداں، ماں کی ہم عمر، ہنستی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ مگر فاطمہ اور تصویر پر نظر پڑتی ہے، وہ بھی اداس ہو جاتی ہے۔

شاداں: ''کیا بات ہے بہن، آج دن بھر اوپر نہیں آئیں۔ میں تو سمجھتی تھی آج تم لوگ گھر پر نہیں ہو۔ اتنی خاموشی تھی تمھارے ہاں''۔

ماں: ہم تو کہیں نہیں گئے، گھر ہی میں رہے سارا دن۔

شاداں: کوئی آواز ہی نہیں تھی، نہ تمھاری نہ رضیہ کی۔

ماں: کیا بتاؤں بہن!

شاداں: خیر تو ہے! کیا بات تھی؟

ماں: آج جاوید کی چوبیسویں سال گرہ ہوئی۔

شاداں: ۶ ستمبر کو؟

ماں: یہی اس کے پیدا ہونے کا دن ہے اور اسی دن... (شدّتِ احساس سے خاموش ہو جاتی ہے)

یہی دن تھا اور وہ چھٹی پر آیا ہوا تھا۔ صبح سے گھر میں رونق تھی۔ میری رضیہ نے گھر میں رنگا رنگ جھنڈیاں لگائی تھیں۔ سب عزیز، ہم سائے، اس کے دوست جمع ہوئے تھے۔ اتنی چہل پہل اور ہنگامہ تھا کہ شادی کا سا سماں لگتا تھا۔ رضیہ کو بھائی کی سال گرہ منانے کا بہت شوق تھا۔ دوست احباب جاوید کو

تحفے دے رہے تھے۔ رضیہ نے خود پیسے جمع کر کے جو ہار خریدا تھا، وہ الماری میں سے نکال کر خوشی خوشی بھائی کی طرف لیے چلی آ رہی تھی۔

(ماں رُک گئی) دروازے پر دستک ہوئی۔ جاوید کو ڈیوٹی پر حاضر ہونے کا حکم ملا تھا۔ وہ حکم ملتے ہی جانے لگا۔ ہم نے روکا تو کہنے لگا: ''ماں! وطن نے مجھے پکارا ہے۔ اب میں کسی اور کام کے لیے نہیں رُک سکتا۔''

شاداں: اُسی وقت چلا گیا؟

ماں: اُسی لمحے۔ بہن کہتی رہ گئی: ''بھائی جان! گلے میں ہار ڈلوا لو''۔ مگر بولا: ''واپس آ کر ہی ہار گلے میں ڈالوں گا رضیہ''۔ اور چلا گیا۔ (روشنی مدھم ہو چکی ہے۔ صحن کے دروازے سے ایک سایہ بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ یکایک رضیہ کی آواز اُبھرتی ہے)

رضیہ: بھائی جان، آپ!

جاوید: رضیہ!

رضیہ: بھائی جان! آپ کہاں تھے؟ کہاں تھے آپ؟

جاوید: یہاں، وہاں، ہر جگہ، ہر مقام پر، کہاں نہیں تھا میں۔

رضیہ: آپ تو میدانِ جنگ سے لوٹے ہی نہیں تھے۔ ابّا جان کہتے تھے انھوں نے آپ کا لہو بھرا جسم دیکھا تھا۔ اور بھائی جان! آپ بھائی جان ہیں نا؟

جاوید: تم دیکھ نہیں رہیں مجھے؟

رضیہ: ہائے! ہمیں آپ کا کتنا انتظار تھا۔

جاوید: مجھے معلوم تھا میری پیاری بہن میرا انتظار کر رہی ہوگی۔

رضیہ: معلوم ہے آج کون سا دن ہے؟

جاوید: ۶ ستمبر! میری سال گرہ کا دن۔

جاوید: تم دیکھ نہیں رہیں مجھے۔

رضیہ: ہائے، ہمیں آپ کا کتنا انتظار تھا۔

جاوید: وہ ہار میں اب بھی دیکھ رہا ہوں۔

رضیہ: دیکھ رہے ہیں نا! اپنی تصویر کے گِرد۔

جاوید: ہاں۔

رضیہ: میری کتنی آرزو تھی کہ یہ ہار آپ کے گلے میں ڈالوں...... مگر آپ چلے گئے۔

جاوید: اسی لیے تو آیا ہوں۔

رضیہ: کس لیے؟

جاوید: وہ ہار تم اب بھی میرے گلے میں ڈال سکتی ہو۔

رضیہ: اچھا؟

جاوید: کیوں نہیں!

رضیہ: تو اُتاروں ہار؟ (ہار فضا میں لہراتا ہے)

رضیہ: اوہ بھائی جان!

جاوید: اب تو خوش ہو نا؟

رضیہ: پسند ہے یہ ہار آپ کو؟

جاوید: میری بہن کا ہار مجھے پسند کیوں نہ ہوگا۔ یہ ہار تو شفق اور قوسِ قزح کو گوندھ کر

بنایا گیا ہے۔کتنا پیارا، کتنا خوب صورت ہے یہ ہار!

رضیہ: مگر بھائی جان! آپ دروازے کی طرف کیوں دیکھ رہے ہیں؟

جاوید: مجھے جانا ہے رضیہ!

رضیہ: نہیں بھائی جان!

جاوید: دیکھو! میں نے تمھاری خواہش پوری کر دی، اب مجھے جانا ہے۔

رضیہ: کیوں جانا ہے آپ کو؟

جاوید: مجھے جانا ہے۔ جانا کہاں ہے؟ میں یہیں رہوں گا، تمھارے آس پاس۔ صبح کی روشنی میں، دوپہر کی دھوپ میں، رات کے اندھیروں میں، ہر وقت تمھارے قریب۔ تم مجھے نہیں دیکھ سکتیں مگر میں تمھیں دیکھا کرتا ہوں۔

(سایہ پیچھے ہٹنے لگتا ہے، پیچھے ہوتا جاتا ہے)

رضیہ کی ’’بھائی جان! بھائی جان!‘‘ کہتی آواز بڑھنے لگتی ہے۔

(باپ کمرے میں داخل ہوتا ہے۔)

باپ: کیا ہوا رضیہ! کیا ہوا بیٹی!

رضیہ: بھائی جان ابھی یہیں تھے، یہیں تھے۔ میں نے اُن کے گلے میں ہار ڈالا تھا۔

باپ: بیٹی جانے والے کب لوٹ کر آتے ہیں!

ماں اور شاداں بھی کمرے میں داخل ہوتی ہیں۔ حیرت سے شاداں پوچھتی ہے: ’’کیا معاملہ ہے!‘‘

باپ: کہتی ہے ابھی بھائی جان آئے تھے۔ میں نے ان کے گلے میں ہار ڈالا ہے۔

شاداں: ہار تو وہ پڑا ہے بچی! شاداں آگے بڑھ کر ہار اٹھانے کی کوشش کرتی ہے۔

چیخ مار کر ہاتھ ہٹا لیتی ہے۔ سب یک دم کہتے ہیں: ’’کیا ہوا؟‘‘

شاداں: لہُو، لہُو، ہار پر لہُو۔ سچ مچ لہُو!

(ماخوذ از: مٹی کا دِیا)

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) جاوید شہید کا تعلق کس شہر سے تھا؟

(ب) جاوید کے مکان کی حالت کس وجہ سے خراب تھی؟

(ج) رضیہ کیوں رو رہی تھی؟

(د) سال گرہ کے موقعے پر جاوید کو کیا حکم ملا تھا؟

(ہ) رضیہ کے والد نے فاطمہ کو تسلی دینے کے لیے کیا جملے ادا کیے؟

(و) رضیہ نے سایہ دیکھ کر کس کا نام لیا؟

(ز) شاداں نے ہار کو اُٹھایا تو چیخ کر کیا بولی؟

سوال۲: درج ذیل الفاظ کے جملے بنائیے:

آرایِش-کپکپاہٹ-سَعادت-جائے وقُوع-مدھم-شفق-دم بہ خُود-رَکھ رکھاؤ

سوال۳: جاوید شہید کا واقعہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

سوال۴: حبِ وطن کے موضوع پر مکالمہ تحریر کیجیے۔

سوال۵: میرزا ادیب نے اس ڈرامے میں کیا پیغام دیا ہے؟

سوال۶: درج ذیل الفاظ پر اعراب لگائیے:

لہو-غم گین-افسردہ-اختیار-مقام

(۱) یومِ دفاع کے موقعے پر شہیدانِ وطن کے موضوع پر تین سے چار منٹ تک کی تقریر کریں۔

(۲) نشانِ حیدر پانے والے شُہدا کی تصاویر کا چارٹ بنائیے۔ اگر آپ نے اس سبق سے ملتا جلتا کوئی واقعہ سنا یا پڑھا ہو تو بیان کریں۔

✲ ڈراما یونانی لفظ ''ڈراؤ'' (Drao) سے مشتق ہے جس کے معنی ''عمل یا اداکاری'' یا دوسرے لفظوں میں کچھ کر کے دکھانا ہے۔ ڈراما ایک کہانی ہے جو اداکاروں کے ذریعے ناظرین کے سامنے اسٹیج پر پیش کی جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر ڈراما ایک نقالی ہے جو حرکت اور تقریر کے وسیلے سے کی جاتی ہے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کے لگائے گئے اعراب اچھی طرح سے چیک کیجیے اور غلطیوں کی اصلاح کیجیے۔

(۳) طلبہ کو ڈرامے کے بارے میں تفصیل بتائیے۔

(۳) بچّوں سے بنوائے ہوئے جملوں کی اصلاح کیجیے۔
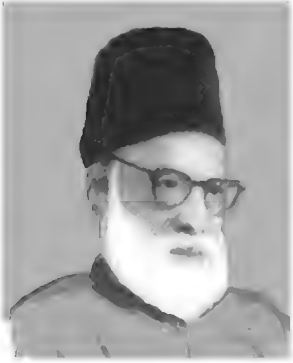
مولوی عبدالحق

ولادت: ۱۸۷۰ء   وفات: ۱۹۶۱ء

مولوی عبدالحق ضلع میرٹھ (ہندوستان) کے قصبے ہاپڑ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پہلے فیروز پور اور پھر علی گڑھ میں حاصل کی۔ علی گڑھ ہی سے بی-اے کیا۔ علمی خدمات کے صلے میں الٰہ آباد یونی ورسٹی اور علی گڑھ یونی ورسٹی سے ڈی-لِٹ کی اعزازی ڈگریاں ملیں۔ آپ کچھ عرصہ حیدر آباد دکن میں بھی رہے اور تعلیم کے ساتھ اُردو کے لیے مختلف خدمات انجام دیں۔ انجمنِ ترقیِ اُردو کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ پھر دہلی میں بھی اسی عہدے پر فائز رہ کر کام کیا۔ تقسیمِ ہند کے بعد کراچی منتقل ہو گئے۔ یہاں آ کر انجمنِ ترقیِ اُردو کی بنیاد رکھی۔ پہلے اس کے سیکریٹری اور بعد میں صدر بنے۔ انتقال کے وقت تک صدر کے عہدے پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کی آخری آرام گاہ اُردو کالج کراچی میں ہے۔ مولوی صاحب کی اُردو کے لیے خدمات کے صلے میں قوم نے آپ کو ''بابائے اُردو'' کا لقب دیا۔ ''لُغت، قواعد، تحقیق، تدوین اور تبصرے'' کے حوالے سے اُن کی متعدّد کتابیں چھپ چکی ہیں۔ شخصیت نگاری پر ''چند ہم عصر'' اُن کی مشہور تصنیف ہے۔ اِسی تصنیف سے یہ خاکہ لیا گیا ہے۔

نام دیو---مالی

حاصلاتِ تعلّم : یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مختلف اصناف نثر میں امتیاز کر سکیں۔ (۲) اشاروں کی مدد سے کہانی لکھ سکیں۔ (۳) کسی بھی موضوع پر دُرست لب و لہجے اور تلفظ سے ۳ - ۴ منٹ تک تقریر کر سکیں۔ (۴) خاکہ نگاری کے بارے میں جان سکیں۔

نام دیو مقبرۂ رابعہ دورانی، اورنگ آباد (حیدر آباد دکن) کے باغ میں مالی تھا۔ مقبرے کا باغ میری نگرانی میں تھا۔ میرے رہنے کا مکان بھی باغ کے احاطے ہی میں تھا۔ میں نے اپنے بنگلے کے ساتھ چمن بنانے کا کام، نام دیو کے سُپرد کیا۔ میں اندر کمرے میں کام کرتا رہتا تھا۔ میری میز کے سامنے بڑی سی کھڑکی تھی۔ اس میں سے چمن صاف نظر آتا تھا۔ لکھتے لکھتے کبھی نظر اُٹھا کر دیکھتا تو نام دیو کو اپنے کام میں مصروف پاتا۔ بعض دفعہ اس کی حرکتیں دیکھ کر بہت تعجب ہوتا۔ مثلاً: کیا دیکھتا ہوں کہ نام دیو ایک پودے کے سامنے بیٹھا، پانی ڈال کر ڈول درست کی اور ہر رُخ سے پودے کو مُڑ مُڑ کر دیکھا۔ پھر اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ دیکھتا جاتا تھا اور مسکراتا اور خوش ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوتی اور خوشی بھی۔

اب مجھے اس سے دل چسپی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بعض وقت اپنا کام چھوڑ کر اسے دیکھا کرتا مگر اسے کچھ خبر نہ ہوتی کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں مگن رہتا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ اپنے پودوں اور پیڑوں ہی کو اپنی اولاد سمجھتا تھا اور اولاد کی

طرح ان کی پرورش کرتا۔ ان کو سرسبز اور شاداب دیکھ کر ایسا ہی خوش ہوتا جیسے ماں اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ وہ ایک ایک پودے کے پاس بیٹھتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا ان سے چُپکے چُپکے باتیں کر رہا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑھتے اور پُھولتے پَھلتے، اس کا دل بھی بڑھتا اور پھولتا تھا۔ ان کو توانا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ کبھی کسی پودے میں اتفاق سے کیڑا لگ جاتا تو اسے بڑی فکر ہوتی۔ بازار سے دوائیں لاتا اور اس پودے کی ایسی سیوا کرتا جیسے کوئی ہمدرد اور نیک دل ڈاکٹر اپنے عزیز بیمار کی کرتا ہے۔ ہزار جتن کرتا اور اسے بچا لیتا اور جب تک وہ تن درست نہ ہو جاتا اسے چَین نہ آتا۔

باغوں میں رہتے رہتے اسے جڑی بُوٹیوں کی بھی شناخت ہو گئی تھی۔ خاص کر بچّوں کے علاج میں اسے بڑی مہارت تھی۔ وہ خود بھی صاف ستھرا رہتا تھا اور ایسا ہی اپنے چمن کو بھی رکھتا۔ کیا مجال جو کہیں گھاس پُھونس یا کنکر پتھر پڑا رہے۔ غرض سارے چمن کو آئینہ بنا رکھا تھا۔

باغ کے داروغہ (عبدالرحیم خان) خود بھی بڑے کارگزار اور مُستعِد شخص ہیں اور دوسروں سے بھی کھینچ تان کر کام لیتے ہیں۔ اکثر مالیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ ذرا بھی نگرانی میں ڈِھیل ہوئی، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے یا سائے میں جا لیٹے۔ لیکن نام دیو کو کبھی کچھ کہنے سننے کی نوبت نہ آئی۔ وہ اپنے کام میں لگا رہتا۔ نہ ستایش کی تمنا نہ صِلے کی پروا۔

ایک سال بارش بہت کم ہوئی۔ کنوؤں میں پانی برائے نام رہ گیا۔ باغ پر آفت ٹوٹ پڑی۔ بہت سے پودے اور پیڑ تلف ہو گئے۔ جو بچ رہے وہ مرجھائے ہوئے

تھے۔ لیکن نام دیو کا چمن ہرا بھرا تھا اور وہ دور دور سے ایک ایک گھڑا پانی کا سر پر اٹھا کے لاتا اور پودوں کو سینچتا۔ جب پانی کی قلّت اور بڑھی تو اس نے راتوں کو بھی پانی ڈھو ڈھو کر لانا شروع کیا۔ پانی کیا تھا، یوں سمجھیں کہ آدھا پانی اور آدھی کیچڑ ہوتی تھی لیکن یہی گدلا پانی پودوں کے حق میں آبِ حیات تھا۔

میں نے اِس بے مثل کارگزاری پر اُسے انعام دینا چاہا۔ اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کا کہنا ٹھیک تھا کہ اپنے بچّوں کے پالنے پوسنے میں کوئی انعام کا مُستحق نہیں ہوتا۔

جب اعلیٰ حضرت حضور نظام کو اورنگ آباد کی خوش گوار آب و ہوا میں باغ لگانے کا خیال ہوا تو یہ کام ڈاکٹر سید سراج الحسن (نواب سراج یار جنگ بہادر) ناظم تعلیمات کو تفویض ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا ذوقِ باغ بانی مشہور تھا۔ مقبرۂ رابعہ دورانی اور اس کا باغ جو اپنی ترتیب و تعمیر کے اعتبار سے مغلیہ باغ کا بہترین نمونہ ہے، مُدّت سے ویران اور سُنسان پڑا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب کی بہ دولت سرسبز، شاداب اور آباد نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو آدمی پَرکھنے میں بھی کمال تھا۔ وہ نام دیو کے بڑے قدر دان تھے۔ اسے مقبرے سے شاہی باغ میں لے گئے۔ کئی کئی نگرانِ کار اور بیسیوں مالی ڈاکٹر صاحب کے شاہی باغ کو حقیقت میں شاہی باغ بنانا چاہتے تھے۔ یہاں بھی نام دیو کا وہی رنگ تھا۔ اس نے نہ فنِ باغ بانی کی کہیں تعلیم پائی تھی اور نہ ہی اس کے پاس کوئی سَنَد یا ڈپلوما تھا۔ البتہ کام کی دُھن تھی۔ کام سے سچّا لگاؤ تھا اور اسی میں اس کی جیت تھی۔ بس یہ تھا اور اس کا کام۔

ایک دن نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ شہد کی مکھیوں کی یُورِش ہوئی۔ سب مالی بھاگ

بھاگ کر چھُپ گئے۔ نام دیو کام میں لگا رہا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ قضا اس کے سر پر کھیل رہی ہے۔ مکھیوں کا غضب ناک جھلّڑ اس غریب پر ٹوٹ پڑا۔ اتنا کاٹا کہ وہ بے دَم ہو گیا۔ اسی میں جان دے دی۔

وہ بہت سادہ مزاج، بھولا بھالا تھا۔ اس کے چہرے پر بشاشت اور لبوں پر مسکراہٹ رہتی۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے جُھک کر ملتا۔ غریب تھا اور تنخواہ بھی کم تھی، اس پر بھی اپنے غریب بھائیوں کی بساط سے بڑھ کر مدد کرتا رہتا تھا۔ کام سے عشق تھا اور آخر کام کرتے کرتے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

گرمی ہو یا جاڑا، دھوپ ہو یا سایہ، وہ دن رات برابر کام کرتا رہا۔ اسے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ میں بہت کام کرتا ہوں یا میرا کام دوسروں سے بہتر ہے۔ اسی لیے اسے اپنے کام پر فخر یا غرور نہ تھا۔ وہ سب کو اچھا سمجھتا اور سب سے محبت کرتا تھا۔ وہ غریبوں کی مدد کرتا، وقت پر کام کرتا، آدمیوں، جانوروں، پودوں کی خدمت کرتا۔

جب کبھی مجھے نام دیو کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ نیکی کیا ہے اور بڑا آدمی کسے کہتے ہیں۔ ”ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے۔ اس صلاحیت کو درجۂ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے۔ لیکن درجۂ کمال تک پہنچنے کی کوشش ہی میں انسان، انسان بنتا ہے۔“ حساب کے دن جب اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی تو خدا پوچھے گا کہ میں نے جو استعداد تجھ میں ودیعت کی تھی، اسے کمال تک پہنچانے اور اس سے کام لینے میں تو نے کیا کِیا؟ اور خلقُ اللہ کو اس سے کیا فیض پہنچایا؟ اگر نیکی اور بڑائی کا یہ معیار ہے تو نام دیو نیک تھا اور بڑا بھی۔

(ماخوذ از: ”چند ہم عصر“)

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) نام دیو کس باغ میں مالی تھا؟

(ب) مُصنِّف کو نام دیو کی کون سی حرکتوں پر تعجّب ہوتا تھا؟

(ج) اس سبق میں نام دیو مالی کی کون کون سی خوبیاں بیان کی گئی ہیں؟

(د) پانی کی قلّت بڑھی تو نام دیو نے کیا کِیا؟

(ہ) نام دیو کو بچوں کے علاج میں کیسے مہارت حاصل ہوئی؟

سوال۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے:

(الف) نام دیو تھا ایک:

(۱) مالی (۲) ڈرائیور (۳) چوکی دار (۴) خانساماں

(ب) ڈاکٹر صاحب کو آدمی پرکھنے میں بھی تھا:

(۱) کمال (۲) اندازہ (۳) خیال (۴) جمال

(ج) ”نام دیو نے سارے چمن کو آئینہ بنا رکھا تھا“۔ اس جملے میں آئینہ بنانے کا مطلب ہے:

(۱) خوب صورت بنا دینا (۲) رنگوں سے سجا دینا

(۳) صاف ستھرا کر دینا (۴) نرم و نازک کر دینا

(د) ماں اپنے بچوں کو دیکھ کر ہوتی ہے:

(۱) ناراض (۲) خوش (۳) افسردہ (۴) ملول

(ہ) نام دیو غریب تھا اور تنخواہ بھی تھی:

(۱) زیادہ (۲) کم

(۳) بہت زیادہ (۴) بہت کم

سوال۳: درج ذیل خالی جگہیں درست الفاظ سے پُر کیجیے:

(الف) ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی..............رکھی ہے۔

(ب) گدلا پانی پودوں کے حق میں...............تھا۔

(ج) ڈاکٹر صاحب شاہی باغ کو حقیقت میں...............بنانا چاہتے تھے۔

(د) باغ کے داروغہ خود بھی بڑے کارگزار اور...............شخص ہیں۔

(ہ) ایک سال بارش بہت...............ہوئی۔

سوال۴: درج ذیل اقتباسات کی تشریح کیجیے:

(الف) ''کام سے سچّا لگاؤ تھا اور اسی میں اس کی جیت تھی۔''

(ب) ''اسے کیا معلوم تھا کہ قضا اس کے سر پر کھیل رہی ہے۔''

(ج) ''ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے۔ اس صلاحیت کو درجۂ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے۔''

سوال۵: دیے ہوئے لفظی اشاروں سے کہانی مکمل کیجیے:

شخص، پیٹ میں درد، حکیم، برداشت سے باہر، غذا، چیک کرنا، پوچھنا، جلی ہوئی روٹی، آنکھیں، دوا، علاج، شرمندگی، آئندہ، نتیجہ۔

طلبہ شجرکاری کی اہمیت پر تقریری مقابلہ کریں۔

✲ خاکہ ایک سوانحی مضمون ہے جس میں کسی شخصیت کے اہم اور منفرد پہلو اس طرح اجاگر کیے جاتے ہیں کہ اس شخصیت کی جیتی جاگتی تصویر پڑھنے والے کے ذہن میں پیدا ہو جائے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) ماحول کو آلودگی سے پاک رکھنے کے لیے شجرکاری کی اہمیت واضح کیجیے۔

(۲) خاکہ نگاری کی مذکورہ تعریف کی روشنی میں طلبہ کو اس خاکے کی خوبیاں سمجھائیے۔

قدرت اللہ شہاب

ولادت: ۱۹۱۷ء وفات: ۱۹۸۶ء

پاک و ہند کے ممتاز سرکاری افسر قدرت اللہ شہاب اردو کے مشہور ادیب، افسانہ نگار، صُوفی اور دانش وَر تھے۔ آپ کے والد کا نام محمد عبداللہ تھا۔ آپ نے آزاد کشمیر میں سیکریٹری جنرل اور جھنگ میں ڈپٹی کمشنر کے عہدوں پر کام کیا۔ آپ پاکستان کے گورنر جنرل غلام محمد، صدر اسکندر مرزا اور صدر محمد ایوب خان کے ساتھ بہ طور پرائیویٹ سیکریٹری رہے۔ ہالینڈ میں پاکستان کے سفیر بھی رہے۔ پاکستان کی ادبی تنظیم ''رائٹرز گلڈ'' کے بانی اور ''انجمنِ ترقّیِ اُردو'' پاکستان کے اعزازی صدر بھی رہے۔

''شہاب نامہ'' آپ کی ''آپ بیتی'' ہے، جس میں اپنے بچپن، جوانی اور بڑھاپے کا احوال بیان کیا ہے۔ قومی خدمات کے اعتراف میں حکومتِ پاکستان نے آپ کو ''ستارۂ پاکستان'' کے تمغے سے نوازا۔ آپ کی دیگر تصنیفات میں ''یا خدا، نفسانے، ماں جی اور سرخ فیتہ'' مقبول کتابیں ہیں۔
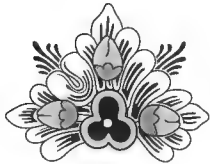
ڈسٹرکٹ بورڈ کی ڈسپنسری

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) روزمرہ زندگی کے تجربات یا واقعات کے حوالے سے یا دداشت یا ڈائری لکھ سکیں۔ (۲) ادبی، صحافتی، دفتری اور قانونی تحریر میں فرق کر سکیں۔
(۳) صحت وصفائی کے بنیادی اصولوں کی پاس داری کے لیے کسی اخبار یا ذمے دار افسر خط تحریر کر سکیں۔

ایک دفعہ میں ایک طویل دورے سے واپس آ رہا تھا۔ ایک پُر فضا مقام پر ڈسٹرکٹ بورڈ کا ڈاک بنگلا نظر آیا۔ جی چاہا کہ گھنٹا دو گھنٹا یہاں قیام کیا جائے۔ ڈاک بنگلا کھلا پڑا تھا۔ اندر گیا تو دیکھا کہ چھت غائب ہے۔ پہلے خیال آیا کہ شاید یہ اوپن ایئر تھیٹر کی طرح اوپن ایئر ڈاک بنگلا ہو۔ لیکن چوکی دار نے بڑی خندہ پیشانی سے وضاحت کی کہ دراصل یہ ۱۹۵۰ء کے سیلاب کا نتیجہ ہے۔ میں نے پوچھا کہ بھائی سیلاب تو زمین پر آیا تھا، لیکن چھت آسمان سے کیوں کر گر پڑی؟ چوکی دار نے سادہ لوحی سے جواب دیا کہ صاحب! اس میں بھی اللہ کی کوئی حکمت ہوگی! اس ڈاک بنگلے میں چینی کی چند پرچ پیالیاں اور کچھ رکابیاں بھی موجود تھیں۔ ان سب کی پُشت پر انگریزی میں Johnson & Johnson, London, 1854 درج تھا۔ چینی کے بنے ہوئے یہ ظُروف ایک سو برس پُرانے تھے۔ لیکن ہماری تعمیر کی ہوئی ڈاک بنگلے کی چھت سیلاب کے ایک ہی ریلے سے بہہ کر گر گئی تھی۔

ڈاک بنگلے کی رعایت سے مجھے ڈسٹرکٹ بورڈ کی ایک ڈسپنسری یاد آ گئی، جو ایک نہایت دُور افتادہ گاؤں میں واقع ہے۔ بغیر اطلاع دیے دُور دراز دیہات میں اکیلے گھومنے کا مجھے بے حد شوق ہے۔ اس طرح ایک انسان کی آنکھ اُن نظاروں کا مشاہدہ کرتی ہے جو ڈپٹی کمشنر کی آنکھ کو نصیب نہیں ہوتا۔ ان دو آنکھوں میں بڑا عجیب وغریب فرق ہے۔ انسان کی آنکھ سب کچھ دیکھتی ہے اور ڈپٹی کمشنر کی آنکھ فقط وہی دیکھنے کی عادی ہو جاتی ہے جو اسے دکھایا جائے۔ اس کے علاوہ انسان کی آنکھ عموماً سیدھی ہوتی ہے اور ڈپٹی کمشنر کی آنکھ اپنے ٹیڑھے ترچھے زاویوں کی وجہ سے کسی قدر بھینگی ہو جاتی ہے------خیر، اُس دُور افتادہ گاؤں میں مجھے ایک اَصطَبَل نظر آیا جو دراصل وہاں کا اسپتال تھا۔ ڈاکٹر صاحب دھوتی اور بنیان پہنے کرسی پر اُکڑوں بیٹھے تھے اور اپنے گھٹنوں پر پرچیاں رکھے نسخے لکھ لکھ کر مریضوں کو دے رہے تھے، جنھوں نے کرسی کے چاروں طرف گھیرا ڈالا ہوا تھا۔

''کیا مرض ہے؟'' ڈاکٹر صاحب ہر مریض سے سوال کرتے تھے۔

مریض اپنی بِساط کے مطابق اپنے مرض کی خود تشخیص کرتا تھا اور ڈاکٹر صاحب بڑی سُرعت سے نسخہ لکھ کر اس کے حوالے کر دیتے تھے۔ غالباً یہ نسخہ تعویذ کے طور پر استعمال ہوتا تھا، کیوں کہ مریض نسخہ لے کر بغیر کوئی دوا مانگے وہاں سے چلا جاتا تھا۔

میری خاکی پتلون اور سفید بُش شرٹ کے لحاظ سے ڈاکٹر صاحب نے مجھے اپنے سامنے ایک بنچ پر بٹھا لیا، جس پر اُن کا حُقّہ اور پاندان پڑا تھا۔ انھوں نے کئی بار مجھے دوسرے مریضوں پر ترجیح دینے کی کوشش کی، لیکن میں نے جواب دیا کہ میری تکلیف ذرا پیچیدہ قسم کی ہے، اس لیے میں سب سے آخر میں اپنا حال بیان کروں گا۔

جب مریضوں کا ہُجوم ختم ہوگیا، تو ڈاکٹر صاحب بڑی خیر سگالی سے میری طرف متوجّہ ہوئے۔ میں نے نہایت سنجیدگی سے اپنی تکلیف بیان کی۔

''ڈاکٹر صاحب!'' میں نے کہا: ''میرے دماغ میں کچھ خلل واقع ہوگیا ہے۔ مجھے بیٹھے بیٹھے وہم ہونے لگتا ہے کہ میں ضلع جھنگ کا ڈپٹی کمشنر لگ گیا ہوں۔''

ڈاکٹر صاحب نے بڑی پھرتی سے اپنی ٹانگیں کرسی سے نیچے اُتار لیں اور عینک کے خول کے اُوپر سے مجھے بڑے غور سے گُھورا۔ جب انھیں اچھی طرح اطمینان ہوگیا کہ میری تراش خراش اور وضع قطع میں ڈپٹی کمشنر کی کوئی علامت موجود نہیں ہے، تو وہ پھر کرسی پر اُکڑوں بیٹھ گئے اور ایک کاغذ گھٹنے پر رکھ کے غالباً نسخہ لکھنے میں مشغول ہوگئے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وقت انھیں مہلت دیتا تو وہ میرے لیے بدہضمی کا علاج تجویز فرماتے۔ لیکن عین اس وقت گاؤں کے نمبردار نے وہاں پہنچ کر میرے جُنون کا راز فاش کردیا۔

ڈاکٹر صاحب بے تحاشا بھاگ کر اپنے کوارٹر میں گئے اور کچھ دیر کے بعد بنیان کے اوپر شیروانی پہنے اور ہاتھ میں اسٹیتھوسکوپ لے کر برآمد ہوئے۔ اب انھوں نے خالص افسرانہ انداز میں میری تشریف آوری پر اپنی خُوش نودی کا اظہار فرمایا اور مجھے اسپتال کا معائنہ کرنے کی دعوت دی۔ میں نے بھی بڑی وضع داری سے ڈسپنسری کا معائنہ کیا، جس میں ٹنکچر آیوڈین، سوڈا بائی کارب، ایسپرین اور بڑی بڑی بوتلوں میں کئی دن کے باسی پانی کے علاوہ اور کوئی دوائی موجود نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ڈسٹرکٹ بورڈ میں اسپتال کا بجٹ تو باقاعدگی کے ساتھ سال کے شروع میں منظور ہوجاتا ہے۔ لیکن دوائیوں کا اسٹاک اکثر سال کے اخیر میں یا بعض اوقات اگلے سال

موصول ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو یقین تھا کہ اس تاخیر کا اسپتال کی ہردل عزیزی یا افادیت پر ہرگز کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا تھا۔ کیوں کہ دوائیاں موجود ہوں یا نہ ہوں، مریض بہ ہرحال آتے ہی رہتے تھے اور پھر ڈاکٹر صاحب نے اپنے رجسٹر کے اعداد وشمار سے مجھے یہ خوش خبری بھی سنائی کہ متواتر کئی برس سے مریضوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہورہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اس مقام پر پورے نو برس سے مسیحائی فرمارہے تھے۔ انھیں فخر تھا کہ اس دوران ملیریا کے مریضوں میں ۷۵ فی صد، پیچش کے مریضوں میں ۵۰ فی صد اور خارش کے امراض میں ۴۵ فیصد کا اضافہ ہوگیا تھا۔ ڈسپنسری کا آخری معائنہ ۱۹۳۱ء میں ہوا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے مجھے اسپتال کا ''اِن ڈور وارڈ'' بھی دکھایا، جس میں غالباً ان کی بھینس باندھی جاتی تھی، کیوں کہ ایک کونے میں تازہ گوبر کے نشان تھے، جنھیں ابھی ابھی صاف کیا گیا تھا۔

معائنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مجھے وزیٹرز بک پیش کی کہ میں اس میں اپنی رائے کا اظہار کروں۔ میں نے فی البدیہہ یہ عرض کیا:

> ''دنیائے طِبّ میں یہ اسپتال سنگِ مِیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں پر دوائیوں کی جگہ نسخوں سے علاج کیا جاتا ہے اور مریضوں کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ اسپتال میں داخل ہونے والے مریضوں کے لیے بھینس کے خالص دودھ کا خاطر خواہ انتظام ہے، کیوں کہ وارڈ میں بھینس باندھنے کا بھی اچھا بندوبست ہے۔ گوبر بھی وقت پر اٹھایا جاتا ہے اور

مکھیوں کی آمد و رفت پر کوئی خاص پابندی عائد نہیں ہے۔''

چند ماہ بعد جب میں دوبارہ اسی ڈسپنسری کو دیکھنے گیا، تو وارڈ میں ڈاکٹر صاحب کی بھینس تو بہ دستور بندھی ہوئی تھی، لیکن وزیٹرز بک کے جس وَرَق پر میرے پہلے معائنے کی رائے درج تھی، وہ غائب تھا۔

(ماخوذ از: ''شہاب نامہ'')

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) چوکی دار نے ڈاک بنگلے کی چھت غائب ہونے کی کیا وجہ بیان کی؟

(ب) مُصَنِّف نے دیہات میں گھومنے کے شوق کی کیا وجہ بیان کی ہے؟

(ج) مُصَنِّف کو گاؤں میں جو اصطبل نظر آیا، وہ دراصل کیا تھا؟

(د) مُصَنِّف نے اسپتال کے ''اَنڈور وارڈ'' کو کیسا پایا تھا؟

(ہ) گاؤں کے نمبردار کے بتانے پر ڈاکٹر صاحب کا کیا ردِعمل تھا؟

(و) ڈاکٹر صاحب کس حلیے میں مریضوں کا معائنہ کر رہے تھے؟

سوال ۲: درج ذیل الفاظ اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

خندہ پیشانی — حکمت — دُور اُفتادہ — سُرعت

خوشنودی — فی البدیہہ

سوال ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) ڈاک بنگلے کی رعایت سے یاد آ گئی:

(۱) ایک ڈسپنسری (۲) ایک عمارت

(۳) ایک مسجد (۴) ایک گاڑی

(ب) مُصَنِّف کی وضع قطع میں کوئی علامت موجود نہیں تھی:

(۱) ڈپٹی کمشنر کی (۲) ڈپٹی ڈائریکٹر کی

(۳) ڈپٹی سیکریٹری کی (۴) ڈپٹی کنٹرولر کی

(ج) آنکھ سب کچھ دیکھتی ہے:

(۱) پتھر کی (۲) انسان کی

(۳) حیوان کی (۴) فرشتے کی

(د) جو اصطبل نظر آیا وہ دراصل تھا:

(۱) ڈاک بنگلا (۲) ڈاک خانہ

(۳) اسپتال (۴) عجائب گھر

(ہ) ڈسپنسری کا آخری معائنہ ہوا تھا:

(۱) ۱۹۳۰ء میں (۲) ۱۹۳۱ء میں

(۳) ۱۹۳۲ء میں (۴) ۱۹۳۳ء میں

سوال ۴: درست الفاظ لکھ کر خالی جگہیں پُر کیجیے:

(الف) ڈاکٹر صاحب دھوتی اور بنیان پہنے کرسی پر............ بیٹھے تھے۔

(ب) مریض اپنی............ کے مطابق اپنے مرض کی خود تشخیص کرتا تھا۔

(ج) غالباً یہ نسخہ............ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

(د) مجھے وہم ہونے لگتا ہے کہ میں ضلع............ کا ڈپٹی کمشنر لگ گیا ہوں۔

(ہ) ڈاکٹر صاحب پورے............ برس سے مسیحائی فرما رہے تھے۔

سوال۵: درست بیان پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) چینی کے بنے ہوئے ظروف ۱۵۰ سال پرانے تھے۔ ( )

(ب) اسپتال کے وارڈ میں ڈاکٹر صاحب کی بھینس باندھی جاتی تھی۔ ( )

(ج) انسان کی آنکھ عموماً ترچھی ہوتی ہے۔ ( )

(د) یہاں پر دوائیوں کی جگہ تعویذوں سے علاج کیا جاتا ہے۔ ( )

(ہ) وارڈ میں بکری باندھنے کا بھی بندوبست ہے۔ ( )

سوال۶: گزشتہ کل صبح سے رات تک کے واقعات لکھیے۔

(۱) اپنے علاقے کی ڈسپنسری/ ہسپتال کی صحت وصفائی کے بارے میں متعلقہ محکمے کو خط لکھیں۔

(۲) ادبی، صحافتی اور قانونی تحریروں کا فرق بیان کریں۔

❁ آپ بیتی اُس تصنیف کو کہتے ہیں، جس میں مصنف نے اپنے حالات وواقعات خود قلم بند کیے ہوں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو ڈائری یا روزنامچہ لکھنے کی ترغیب دیجیے۔ (۲) روزمرّہ زندگی کے تجربات اور واقعات پر مشتمل اخباری تراشوں کا البم تیار کرنے کی ترغیب دیجیے۔ (۳) ادبی، صحافتی، دفتری اور قانونی تحریر کے فرق کو مثالی نمونوں سے واضح کیجیے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ

ولادت: ۱۸۸۴ء وفات: ۱۹۴۷ء

مرزا فرحت اللہ بیگ دہلی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ اسکول اور کالج کی تعلیم وہیں حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر حیدرآباد (دکن) چلے گئے۔ وہاں پہلے محکمۂ تعلیم میں ملازم رہے۔ پھر محکمہ انتظامیہ میں ملازمت اختیار کرلی، جہاں ترقی کرتے کرتے اسسٹنٹ ہوم سیکریٹری کے عہدے تک پہنچے۔ ان کے مضامین میں ''مولوی نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی'' اور ''دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ'' بہت مشہور ہیں۔ دہلی کی بامحاورہ زبان، سنجیدہ ظرافت کے علاوہ واقعہ نگاری کے لحاظ سے بھی ان مضامین کو اردو نثر کے شہ پاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضامین کے مجموعے ''مضامینِ فرحت'' کے نام سے شایع ہو چکے ہیں۔

اُونہہ

حاصلاتِ تعلّم : یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) سبق میں محاورے تلاش کر کے لکھ سکیں۔
(۲) سیاق وسباق کے حوالے سے دی ہوئی عبارت کا مفہوم لکھ سکیں۔
(۳) عام ضرورت کے فارم بھر سکیں۔ (۴) سابقے اور لاحقے میں تمیز کر سکیں۔

طالب علموں کو دیکھو تو 'اُونہہ' کا زور سب سے زیادہ انھی میں پاؤ گے۔ سال بھر کھیل کود میں گزار دیا۔ امتحان کا خیال آیا تو 'اُونہہ' کر دی، یعنی کل سے پڑھیں گے۔ آخر یہ 'اُونہہ' یہاں تک کھینچی کہ امتحان آ گیا۔ فیل ہوئے۔ اس فیل ہونے پر بھی 'اُونہہ' کر دی۔ یہ 'اُونہہ' بہت ہی بامعنی ہوتی ہے۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ باپ زندہ ہیں، کھانے پینے اور اُڑانے کو مفت ملتا ہے۔ اگر وہ بھی مر گئے تو جائداد موجود ہے۔ قرضہ دینے کو ساہوکار تیار ہیں۔ پھر پڑھ لکھ کر اپنا وقت کیوں ضایع کریں! دوسرے معنی یہ ہیں کہ ابھی ہماری عمر ہی کیا ہے، صرف اٹھارہ برس ہی کی تو ہے۔ اگر مڈل کے امتحان میں دو چار دفعہ فیل ہو چکے ہیں تو کیا حرج ہے۔ تیس سال کی عمر تک بھی انٹر پاس کر لیا تو سفارش کے بل پر کہیں نہ کہیں چپک ہی جائیں گے۔ یا کم سے کم ولایت جانے کا قرضہ تو ضرور مل جائے گا، اور ذرا کوشش کی تو بعد میں معاف ہو سکے گا۔

اس فیل ہونے پر اِدھر انھوں نے 'اُونہہ' کی اور اُدھر ماں باپ نے 'اُونہہ' کی۔

اس صورت میں ابّا اور امّاں کی 'اُونہہ' کا دوسرا مطلب ہے۔ یعنی یہ کہ 'بچّہ' ابھی فیل ہوا ہے، دل ٹوٹا ہوا ہے۔ ذرا کچھ کہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ رو رو کر اپنی جان ہلکان کر لے یا کہیں جا کر ڈوب مرے۔ غرض، اس 'اُونہہ' نے صاحبزادے صاحب کی تعلیم کا خاتمہ بالخیر کر دیا۔

گھر والی کی اُونہہ سب سے خطرناک اُونہہ ہوتی ہے۔ کسی ماما پر خفا ہو رہی ہیں۔ وہ برابر جواب دیے جاتی ہے۔ یہ 'اُونہہ' کر کے خاموش ہو جاتی ہیں۔ لیجیے، نوکر شیر ہو گئے۔ گھر کا سارا انتظام درہم برہم، خود ان کے اختیارات سَلب، گھر کی حکومت اُن سے چھن، ماماؤں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ کوئی چیز چوری ہو گئی۔ بیگم صاحبہ نے اِدھر اُدھر ڈھونڈا۔ کچھ تھوڑا بہت غل مچایا۔ آخر 'اُونہہ' کر کے بیٹھ گئیں۔ اب کیا ہے! پٹاری میں سے کتھّا چھالیا غائب، خرچ کی صندوقچی میں سے روپے پیسے غائب، صندوقوں میں سے کپڑے غائب۔ غرض، رفتہ رفتہ سارے گھر کا صفایا ہو گیا۔ ماما نے کوئی رکابی توڑ ڈالی۔ شکایت ہوئی، انھوں نے وہی اپنی 'اُونہہ' کا استعمال کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں الماری کے پیچھے سے شیشے اور چینی کا اتنا ٹوٹا ہوا سامان نکلا کہ خاصے کئی صندوق بھر جائیں۔ بچوں نے کوئلے سے دیواروں پر لکیریں کھینچیں، دروازوں پر پنسل سے کیڑے مکوڑے بنائے۔ پہلے تو یہ تھوڑی بہت بگڑیں، پھر 'اُونہہ' کر کے چپ ہو گئیں۔

اب رہے میاں، تو اُن کی 'اُونہہ' سب سے زیادہ تیز ہے۔ بیوی کسی بات پر بگڑیں، میاں 'اُونہہ' کہہ کر باہر چلے گئے۔

ہاں، یہ ضرور ہے کہ میاں بیوی کی یہ 'اُونہہ' بعض دفعہ وہ کام کرجاتی ہے جو بڑے بڑے افلاطون صلاح کار بھی نہیں کر سکتے۔ بیوی کو غصہ آیا، میاں نے 'اُونہہ' کردی۔ چلو، لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ میاں کسی بات پر بگڑے، بیوی نے 'اُونہہ' کردی، میاں کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ اگر 'اُونہہ' کی بہ جائے جواب دیا جاتا تو میاں کو گھر چھوڑنا اور بیوی کو میکے جانا پڑتا۔

ہر معاملے کی دو ہی صورتیں ہیں۔ فتح یا شکست۔ اور دونوں صورتوں میں 'اُونہہ' نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ شکست پر جس نے 'اُونہہ' کی، اس نے گویا شکست کو شکست نہ سمجھا۔ جس نے فتح پر 'اُونہہ' کی، اس نے گویا اپنی ہمت کی قدر نہیں کی۔ وہ آج نہیں ڈوبا تو کل ڈوبے گا۔ دنیا میں وہی لوگ کچھ کر سکتے ہیں جو فتح کو فتح اور شکست کو شکست سمجھیں۔ اب رہے 'اُونہہ' والے، جو لاپروائی سے شکست اور فتح کو برابر سمجھتے ہیں۔ ان کا بس خدا ہی مالک ہے۔ دنیا سے اگر مٹ نہ جائیں گے تو کم سے کم جوتیاں ہمیشہ ضرور کھائیں گے۔

(ماخوذ از: ''مجموعہ مرزا فرحت اللہ بیگ'' جلد سوم، مضامین)

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالوں کے جواب دیجیے:

(الف) طالبِ علموں کے ''اُونہہ'' کرنے کی وجوہات تحریر کیجیے۔

(ب) اس سبق میں مصنف نے کہاں کہاں طنز اور کہاں کہاں مزاح سے کام لیا ہے؟ تین مواقع تحریر کیجیے۔

(ج) اس سبق میں ابّا اور امّاں کی ''اُونہہ'' کا کیا مطلب ہے؟

(د) میاں بیوی کی ''اُونہہ'' کیسے فائدہ مند ہے؟

سوال۲: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) قرضہ دینے کو تیار ہیں:

(۱) استاد (۲) ماں باپ

(۳) ساہوکار (۴) دوست

(ب) الماری کے پیچھے سے ٹوٹا سامان نکلا:

(۱) شیشے اور چینی کا (۲) مٹی اور شیشے کا

(۳) پلاسٹک اور کاغذ کا (۴) اسٹیل اور تانبے کا

(ج) 'اُونہہ' کر کے چپ ہونے سے نوکر ہو جاتے ہیں:

(۱) شیر (۲) باادب

(۳) دلیر (۴) نافرمان

(د) بچوں نے دیواروں پر لکیریں کھینچیں:

(۱) چاک سے (۲) کوئلے سے

(۳) رنگ سے (۴) چونے سے

سوال۳: سبق میں موجود محاورات تلاش کر کے اُن کے معانی تحریر کیجیے۔

سوال ۴: مندرجہ ذیل الفاظ میں سے سابقے اور لاحقے الگ الگ کر کے لکھیے:

بدنصیب-بدقسمت-داغ دار-لاعلاج-پائے دار-شکرگزار

سوال ۵: درج ذیل عبارت کا مفہوم مع سیاق وسباق تحریر کیجیے:

''ہر معاملے کی دو ہی صورتیں ہیں- فتح یا شکست- اور دونوں صورتوں میں 'اُونہہ' نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ شکست پر جس نے 'اُونہہ' کی، اس نے گویا شکست کو شکست نہ سمجھا۔ جس نے فتح پر 'اُونہہ' کی، اس نے گویا اپنی ہمت کی قدر نہیں کی۔ وہ آج نہیں ڈوبا تو کل ڈوبے گا۔ دنیا میں وہی لوگ کچھ کر سکتے ہیں جو فتح کو فتح اور شکست کو شکست سمجھیں۔''

سرگرمیاں

(۱) طلبہ کوئی ایسا دل چسپ واقعہ کلاس میں اپنے ساتھیوں کو بتائیں۔

(۲) طلبہ اس سبق کے مصنف کی دیگر مزاحیہ تحریر کسی اخبار یا رسالے سے کاٹ کر چارٹ پر آویزاں کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو دفتری اور مزاحیہ تحریر کا فرق واضح کر کے بتائیے۔

(۲) محاورے تلاش کرنے میں بچوں کی مدد کیجیے۔

حکیم محمد سعید

ولادت: ۱۹۲۰ء وفات: ۱۹۹۸ء

حکیم محمد سعید دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ ۹ سال کی عمر میں حافظِ قرآن ہو گئے۔ تقسیمِ ہند کے بعد کراچی آئے اور دواسازی کا ایک بڑا مطب ''ہمدرد'' قائم کیا۔ وہ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے بڑے اسکالر تھے۔ اُنھیں کراچی میں مطب سے واپسی پر شہید کر دیا گیا۔

حکیم صاحب نے پاکستان میں ''نونہال'' بچّوں کا رسالہ شایع کیا اور تقریباً دو سو سے زیادہ کتابیں بھی لکھیں جو کہ طِبّ، اَدب، سائنس، صحت اور اِسلامی معلومات پر مشتمل ہیں۔ اُنھوں نے بہت سے ملکوں کے سفر نامے بھی لکھے۔ وہ صوبۂ سندھ کے گورنر بھی رہے مگر اُس کا معاوضہ تک نہ لیا۔ حکیم صاحب بہت سے اَعزازات سے نوازے گئے جن میں ''ستارۂ امتیاز اور نشانِ امتیاز'' شامل ہیں۔

کچھ وَرق تاریخ سے

حاصلاتِ تعلم: یہ سفرنامہ پڑھ کر طلبہ: (۱) کسی سفر کا حال لکھ سکیں۔ (۲) مترادف الفاظ کے جوڑے بنا سکیں۔ (۳) روزمرہ زندگی کے تجربات، مشاہدات یا واقعات کے حوالے سے یادداشت/ڈائری لکھ سکیں۔ (۴) درست تلفظ، عمدہ لب و لہجے میں اپنا سفرنامہ بیان کرسکیں۔

نونہالو! تمھیں معلوم ہے کہ برٹش میوزیم کیا ہے؟ میں بتاتا ہوں۔

برٹش میوزیم دنیا کی سب سے مشہور اور اہم لائبریری ہے۔ یہ ایک آرٹ گیلری بھی ہے، جہاں مُجسمہ سازی، مُصوّری، نقّاشی اور ظروف سازی کے بہترین نمونے موجود ہیں جو دنیا بھر سے جمع کر کے یہاں رکھے گئے ہیں۔ ان میں قدیم یونان، مصر، بابُل، فارس، ہندوستان، چین اور جاپان کے نَوادِرات شامل ہیں۔ یہاں تاریخ سے پہلے کے زمانے کی یادگار چیزوں کا بھی ایسا قیمتی ذَخیرہ ہے، جو دنیا کے کسی اور میوزِیم میں نہیں ہے۔

برٹش میوزِیم میں قلمی نسخے، پرانی کتابیں، سرکاری دستاویزات، نقشے اور ڈاک کے ٹکٹ ہیں اور دنیا بھر میں آثارِ قدیمہ کی کُھدائی سے حاصل ہونے والے نادر اور نایاب کتبے، مٹّی کے برتن، مورتیاں اور دوسری چیزیں ہیں جن سے تاریخ کے مختلف ادوار کی تہذیب اور تمدّن کا پتا چلتا ہے۔ یہ تحقیق کا کام کرنے والوں کے لیے اہم معلومات فراہم کرتی ہیں۔

برٹش میوزیم کی لائبریری دنیا کی تین سب سے بڑی لائبریریوں میں شمار ہوتی ہے۔ دوسری دو عظیم لائبریریاں پیرس کی لائبریری ببلیوتِک نیشنل[1] اور واشنگٹن کی لائبریری آف کانگریس ہے۔ یہاں ستّر لاکھ سے زیادہ کتابیں ہیں۔ ان میں زیادہ تر انگریزی ہی کی کتابیں ہیں، لیکن دنیا کی دوسری زبانوں کی کتابیں بھی یہاں ہیں۔

برٹش میوزیم کی لائبریری کے تین بڑے حصے ہیں۔ ایک حصہ مطبوعہ یعنی چھپی ہوئی، کتابوں کا ہے۔ اس میں کتابیں، دستاویزات، نقشے اور ڈاک کے ٹکٹ ہیں۔ دوسرا حصہ مخطوطات یعنی قلمی نسخوں کا ہے۔ یہاں تیسری صدی قبل مسیح سے اب تک کے یورپین مخطوطات ہیں۔ تیسرا حصہ مراکش سے لے کر جاپان تک کے مخطوطوں اور چھپی ہوئی کتابوں کا ہے۔ اخبارات کی الگ لائبریری ہے۔ برٹش میوزیم لائبریری کے مخطوطات کے حصے میں یونان کے آئین کے بارے میں ارسطو کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ایک تحریر بھی موجود ہے۔

نونہالو! تمھیں جاننا چاہیے کہ البیرونی اور ابن الہیثم کون تھے۔

البیرونی کا نام ابو ریحان بن احمد تھا۔ اسلامی دنیا کے ایک عظیم سائنس داں تھے۔ وہ ریاضی، فلکیات، معدنیات اور دواؤں کی خاصیت کے ماہر، سیّاح اور آثارِ قدیمہ کے عالم بھی تھے۔

البیرونی نے اپنی زندگی کے پچاس سال علم حاصل کرنے اور کتابیں لکھنے میں گزار دیے۔ اُن کو ان کتابوں پر شاہی دربار سے بڑے انعامات بھی پیش کیے گئے لیکن انھوں نے کوئی انعام قبول نہیں کیا۔ وہ شاہی انعام کو اپنے علمی مقام اور مرتبے کے خلاف سمجھتے تھے اور کسی انعام کی پروا کیے بغیر لکھنے میں لگے رہتے تھے۔

---

[1] Bibliotheque national de paris یہ لائبریری پیرس میں واقع ہے۔

البیرونی نے سوسوا سو کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں جیومیٹری، ریاضی، جُغرافیہ، زمین کے علم، فلکیات اور دواؤں کے علم پر کتابیں شامل ہیں۔

البیرونی کے اہم سائنسی کارناموں میں طُول البَلَد اور عرض البلد کا معلوم کرنا اور دنیا میں پہلی بار قدرتی چشموں کے بارے میں یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ زمین کے نیچے پانی میں برقی کیمیائی عمل کے زور سے اُبھرتے ہیں۔ انھوں نے دریا اور زمین کی گہرائی معلوم کرنے کا طریقہ بھی بتایا اور معدنیات کے علم میں بڑا اضافہ کیا۔ اُنھوں نے بہت سی جڑی بوٹیوں کی خصوصیات اور اُن کے فائدے اور مختلف زبانوں میں اُن کے نام بھی بتائے۔

ہیئت (Astronomy) اور ریاضی کے مطالعے کے لیے البیرونی نے ہندوستان کا سفر کیا اور وہاں کے رسم ورواج اور رہن سہن کے طریقوں کا غور سے مطالعہ کیا۔ پھر غزنہ واپس آ کر ''کتاب الہند'' کے نام سے ایک کتاب لکھی اور وہ ساری معلومات جو اُنھیں ہندوستان میں حاصل ہوئی تھی اس میں جمع کر دیں۔ ہندوستان کے عالم البیرونی سے اتنے متاثر ہوئے کہ اُنھیں ''علم کا دریا'' کہنے لگے۔ البیرونی کا انتقال ۱۰۴۸ عیسوی میں ہوا۔

ابن الہیثم کا نام ابوعلی الحسن تھا، برسوں کی تحقیق کے بعد روشنی پر ایک کتاب لکھی، جس میں انھوں نے پہلی بار یہ بتایا کہ روشنی کیا ہے؟ انھوں نے روشنی کو توانائی قرار دیا، جسے آج ساری دنیا تسلیم کرتی ہے۔ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ آنکھ کیسے دیکھتی ہے اور اس کی اندرونی بناوٹ کیسی ہے۔ ابن الہیثم نے یہ اصول بیان کیا کہ جب روشنی کی شعاعیں کسی باریک سوراخ سے گزر کر کسی پردے پر پڑتی ہیں تو وہ اُس پردے پر اُس

جسم کا اُلٹا عکس ڈالتی ہیں جس سے نکل کر وہ آ رہی ہیں۔ انھوں نے عملی طور پر اس کا مظاہرہ کر کے دکھایا یعنی ایک شمع کا اُلٹا عکس پردے پر ڈالا۔ یہی کیمرے کا اصول ہے۔

ابن الہیثم نے بصریات (دیکھنے کا علم) کے علاوہ ریاضی اور فلکیات میں بھی بڑی مہارت حاصل کی۔ وہ ۹۶۵ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ بصرے میں اپنی تعلیم مکمل کی اور بغداد چلے گئے جو اُس زمانے میں اسلامی دنیا کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا۔ وہاں انھوں نے مختلف علما اور سائنس دانوں سے ملاقات کی اور اُن سے علمی مذاکرے کیے۔ بغداد سے وہ قاہرہ گئے اور پھر اپنی زندگی کا بڑا حصہ وہیں گزار دیا۔ اس نام ور مسلمان سائنس دان کا انتقال ۱۰۴۳ء میں ہوا۔

(ماخوذ از: ''لندن اور کیمبرج'')

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) برٹش میوزیم میں کیا کیا چیزیں موجود ہیں؟

(ب) دنیا کی سب سے مشہور اور اہم لائبریری میں کیا کیا شاہ کار موجود ہیں؟

(ج) ''البیرونی'' کو کس کتاب نے شہرت دی؟

(د) برٹش میوزیم کی لائبریری کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اُن میں کیا رکھا گیا ہے؟

(ہ) ''روشنی'' کتاب کس نے لکھی؟ اُس میں کن باتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے؟

(و) کیمرے کا بانی کون ہے؟

سوال۲: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) پیرس کی لائبریری کا نام ہے۔

(۱) ببلیوتک نیشنل (۲) ببلیوتک پراونشل

(۳) ببلیوتک ڈویژنل (۴) ببلیوتک ریجنل

(ب) برطانیہ کی لائبریری میں کتابیں موجود ہیں۔

(۱)۵۰لاکھ (۲)۶۰لاکھ

(۳)۷۰لاکھ (۴)۸۰لاکھ

(ج) البیرونی نے علم حاصل کرنے اور کتابیں لکھنے میں گزار دیے:

(۱) دس سال (۲) بیس سال

(۳) چالیس سال (۴) پچاس سال

(د) ابن الہیثم کا نام تھا:

(۱) حکیم محمد سعید (۲) ابوعلی الحسن

(۳) سید حسین نصر (۴) فخرالدین رازی

سوال۳: درج ذیل کالم ''الف'' کو کالم ''ب'' سے ملائیے:

	''الف''	''ب''
۱)	البیرونی اسلامی دنیا	کے عظیم سائنس دان تھے۔
۲)	حکیم محمد سعید نے	عالمی مرکز کی حیثیت دی ہے۔
۳)	ابن الہیثم ریاضی اور	فلکیات کے ماہر تھے۔
۴)	حکومتِ برطانیہ نے برٹش میوزیم کو	برٹش میوزیم لندن پر سفرنامہ لکھا ہے۔

سوال۴: درج ذیل لفظوں میں سے مترادف کے جوڑے ملائیے:

خواہش، عکس، قیمتی، نادر، مشکل، دشوار، نایاب، تمنا، سایہ، بیش بہا

طلبہ اپنے سفر کی روداد لکھ کر ٹیچر کو دکھائیں۔

✼ وہ باتیں جو ایک سیّاح کو اپنے سفر کے دوران محسوس ہوتی ہیں اور مختلف ہونے کے ساتھ دل چسپ اور حیرت انگیز نظر آتی ہیں، وہ انھیں اپنے ہم وطنوں کے لیے قلم بند کر لیتا ہے اسے سفرنامہ کہتے ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو تقریر کے اصول یعنی استدلال، درست تلفظ اور عمدہ لب و لہجے سے بات کرنے کی مشق کرائیے۔ (۲) مسلم سائنس دانوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے مختلف کتابیں تجویز کیجیے۔ (۳) طلبہ کو پاکستان کے تاریخی مقامات کے متعلق آگاہی دیجیے۔
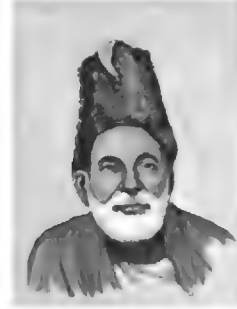
غالبؔ

(بہ حیثیت مکتوب نگار اور نثر نگار)

مرزا محمد اسداللہ بیگ خان نام، نجم الدّولہ، دبیرالملک اور نظام جنگ خطابات، مرزا نوشہ عرفیت اور غالبؔ تخلص تھا۔ پہلے اسدؔ تخلّص رکھا پھر غالبؔ اختیار کیا۔ ابھی پانچ ہی برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ چچا نصراللہ بیگ نے آپ کی پرورش کی، نو برس کی عمر میں چچا کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا۔ چناں چہ مرزا اپنے ننھیال میں آ گئے۔ تیرہ برس کی عمر میں ان کی شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد آپ دِلّی چلے آئے۔

غالبؔ سے پہلے اُردو خطوط بڑے مشکل انداز سے لکھے جاتے تھے۔ مُسجّع نثر میں طَویل اَلقاب ہُوا کرتے تھے۔ لیکن غالبؔ نے ایسا نیا اور دل چسپ انداز اختیار کیا کہ جس نے اُردو نثر کا انداز ہی تبدیل کر دیا۔

آپ کی نثری تصنیفات و تالیفات میں نثرِ فارسی، عودِ ہندی (خطوط اردوئے مُعَلّیٰ (خطوط)، پنج آہنگ (خطوط)، لطائفِ غیبی، قاطعِ بُرہان (لُغت)، مہرِ نیم روز (تاریخ) اور دستنبو قابلِ ذکر ہیں۔

غالبؔ کے خطوط

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) رسمی و غیر رسمی خط لکھ سکیں۔ (۲) غالبؔ کے خطوط کے متن پر اپنی رائے تحریر کرسکیں۔ (۳) شہر کے ناظم کو علاقے کی صفائی کے بارے میں درخواست لکھ سکیں۔

۱- بہ نام ہرگوپال تفتہؔ

کیوں صاحب!

رُوٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی؟ اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو رُوٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوط کے بھروسے جیتا ہوں، یعنی جس کا خط آیا، میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا، جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتے ہوں۔ بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے۔ ایک دو صبح کو اور ایک دو شام کو۔ میری دل لگی ہو جاتی ہے۔ دن اُن کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب، دس دس بارہ بارہ دن سے تمھارا خط نہیں آیا۔ یعنی تم نہیں آئے۔ خط لکھو صاحب۔ نہ لکھنے کی وجہ لکھو، آدھ آنے میں بخل نہ کرو۔ ایسا ہی ہے تو بیرنگ بھیجو۔

سوموار، ۲۷ دسمبر ۱۸۵۸ء غالبؔ

(ماخوذ از: ''غالب کے خطوط''، خلیق انجم)

۲- بہ نام میر مہدی مجروحؔ

اہا ہا ہا! میرا پیارا میر مہدی آیا۔ آؤ بھائی، مزاج تو اچھا ہے؟ بیٹھو، یہ رام پور ہے۔ دَارُالسُّرُور ہے۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں؟ پانی، سُبحانَ اللہ! شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اُس کا نام ہے۔ بے شبہ چشمۂ آبِ حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر، اگر یوں بھی ہے تو بھائی، آبِ حیات عمر بڑھاتا ہے لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔

تمھارا خط پہنچا۔ تَردّدِ عَبَث۔ میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک مُنشی میرا دوست ہے، نہ عرف لکھنے کی حاجت، نہ محلّے کی حاجت۔ بے وَسواس خط بھیج دیا کیجیے اور جواب لیا کیجیے۔ یہاں کا حال سب طرح خوب ہے اور صحبت مرغوب ہے۔ اِس وقت تک مہمان ہوں۔ دیکھوں، کیا ہوتا ہے۔ لڑکے دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔

فروری ۱۸۶۰ء — غالبؔ

(ماخوذ از: ''غالب کے خطوط'' مُرَتَّبہ: خلیق انجم)

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) غالبؔ نے کس مقام سے میر مہدی مجروحؔ کے نام خط تحریر کیا؟

(ب) دریائے کوسی کہاں واقع ہے؟

(ج) غالبؔ نے دریائے کوسی کے پانی کی کیا خصوصیت بیان کی ہے؟

(د) بیرنگ خط سے کیا مراد ہے؟

(ہ) مُنشی ہر گوپال تفتہؔ کے نام خط کا آغاز کس طرح کیا گیا ہے؟

(و) غالبؔ نے میر مہدی مجروحؔ کو بے وسواس خط بھیج دینے کا کیوں کہا؟

سوال۲: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک منشی میرا ہے:

(۱) دوست (۲) بھائی
(۳) چچا (۴) خالو

(ب) اہاہاہا! میرا پیارا آیا:

(۱) میر مہدی (۲) میر تقی میرؔ
(۳) میر دردؔ (۴) میر حسن

(ج) آبِ حیات بڑھاتا ہے:

(۱) مال کو (۲) دولت کو
(۳) عمر کو (۴) فاصلے کو

(د) جس کا خط آیا، میں نے جانا کہ وہ شخص لایا:

(۱) تشریف (۲) خوش خبری
(۳) پیغام (۴) تحفہ

(ہ) آدھ آنے میں نہ کرو:

(۱) تنگ (۲) بخل (۳) سخاوت (۴) فروخت

سوال۳: درج ذیل خالی جگہیں دُرست لفظ لکھ کر پُر کیجیے:

(الف) یہ رام پور ہے جو.......... یہاں ہے وہ اور کہاں۔

(ب) شہر سے..........سو قدم پر ایک دریا ہے۔

(ج) کیوں صاحب..........ہی رہو گے۔

(د) میں اس..........میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں۔

(ہ) چشمہ آبِ حیات کی کوئی .... اس میں ملی ہے۔

سوال۴: درست بیان پر (✓) کا نشان لگایئے:

(الف) جس کا خط آیا، میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ ( )

(ب) غالبؔ کے خط رسمی انداز کے ہوتے ہیں۔ ( )

(ج) غالبؔ نے خط لکھنے کا نیا انداز ایجاد کیا۔ ( )

(د) خطوطِ غالبؔ سے اردو نثر کو بہت فائدہ ہوا۔ ( )

سوال۵: درج ذیل الفاظ اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

ہرکارہ ۔ تردّد ۔ عبث ۔ اطراف وجوانب ۔ بخل

سوال ۶: اپنے دوست کو خط لکھیے جس میں کسی پکنک کا احوال درج ہو۔

سرگرمیاں

(۱) طلبہ اخبارات کا مطالعہ کریں اور کسی کالم پر اپنی رائے تحریر کریں۔

(۲) طلبہ شہر کے ناظم کو علاقے کی صفائی کے بارے میں درخواست لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو خط اور درخواست کے چند نمونے فراہم کیجیے۔

(۲) درخواست لکھتے وقت طلبہ کی رہ نمائی کیجیے۔

حصۂ نظم

مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی

ولادت: ۱۸۴۴ء وفات: ۱۹۱۷ء

مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی ہندوستان کے شہر میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ ہی میں پائی۔ پھر عربی اور فارسی کے استاد کی حیثیت سے میرٹھ اور سہارن پور کے اسکولوں میں خدمات انجام دیں۔ آخر میں آگرے میں سینٹرل نارمل اسکول میں استادوں کو تربیت دیتے رہے۔ وہاں سے رٹائرڈ ہو کر واپس میرٹھ آ گئے اور یہیں انتقال فرمایا۔

اسمٰعیل میرٹھی کا شمار بچّوں کے اہم شاعروں میں ہوتا ہے۔ بچّوں اور نوجوانوں کے لیے بہت سی اصلاحی اور اخلاقی نظمیں لکھیں۔ آپ کی شاعری، زبان کی پاکیزگی اور بیان کی سادگی کا نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ آپ کی نظمیں ہندوستان اور پاکستان کی درسی کتابوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ آپ کا سارا کلام ''کلیاتِ اسمٰعیل'' کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ درسی کتاب میں شامل ''حمد'' اسی کُلیات سے لی گئی ہے۔

حمد
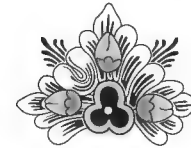
حاصلاتِ تعلّم: یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) مصرعے اور شعر کی تعریف بیان کرسکیں اور نشان دہی کرسکیں۔ (۲) نظم کا مرکزی خیال بیان کرسکیں۔ (۳) حمد کو ترنم سے پڑھ سکیں۔

خُدایا نہیں کوئی تیرے سِوا
اگر تُو نہ ہوتا، تو ہوتا ہی کیا؟

تَصوُّر تری ذات کا ہے مُحال
کسے یہ سکَت اور کہاں یہ مجال

بنائی ہے تو نے یہ کیا خوب چھت
کہ ہے سارے عالَم کی جس میں کھپت

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے
چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے

چراغ ایسے روشن جو بِن تیل ہیں
یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں

یہ لَعل و گُہر ہیں جو بکھرے پڑے
زمیں سے بھی ہیں اُن میں اکثر بڑے

یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے
بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے

وہ زنجیر کیا ہے کَشِش باہمی
نہ اس میں خلَل ہو نہ بیشی کمی

ہے اِن سب کا آئینِ ایجاد ایک
ہُنر ایک ہے اور استاد ایک

(ماخوذ از کُلیاتِ اسماعیل میرٹھی)

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) نظم میں ''چھت'' سے کیا چیز مراد ہے؟

(ب) شاعر نے زنجیر کسے کہا ہے؟

(ج) ''لعل و گہر'' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(د) اللہ تعالیٰ کی قدرت کن باتوں سے ظاہر ہوتی ہے؟

(ہ) حمد کے دوسرے، پانچویں اور آخری شعر کی وضاحت کیجیے۔

سوال۲: اِس حمد کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

سوال۳: خالی جگہوں میں مناسب لفظ لکھیے:

(الف) بندھے ہیں .... سخت زنجیر سے

(ب) وہ .... کیا ہے؟ کشش باہمی

(ج) بنائی ہے تو نے یہ کیا .... چھت

(د) یہ تیری ہی .... کے سب کھیل ہیں

(ہ) تصوُّر تری .... کا ہے محال

☆ آپ اس حمد کے پہلے دو مصرعے غور سے پڑھیے۔ آپ نے دیکھا کہ یہ دونوں ایک خاص وزن اور آواز رکھتے ہیں۔ اس طرح کے چند بامعنی لفظوں پر مشتمل مصرعوں یا کلام کو شعر کہا جاتا ہے۔ ہر شعر کے دو حصے ہوتے ہیں اور ہر حصے کو مصرع کہا جاتا ہے۔ پہلے مصرعے کو مصرعِ اُولیٰ اور دوسرے مصرعے کو مصرعِ ثانی کہتے ہیں۔

مثال: ؎ خدایا! نہیں کوئی تیرے سوا (مصرعِ اُولیٰ)
اگر تُو نہ ہوتا تو ہوتا ہی کیا (مصرعِ ثانی)

"؎" یہ تنہا شعر کی علامت ہے اور "ع" مصرعے کی علامت ہے۔

سوال۴: جوابات دیجیے:

(الف) اِس حمد میں کل کتنے مصرعے اور کتنے شعر ہیں؟

(ب) کسی اور نظم کا ایک شعر لکھ کر مصرعِ اولیٰ اور مصرعِ ثانی کی نشان دہی کیجیے۔

سوال۵: درج ذیل سوالات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) ایک شعر میں مصرعے ہوتے ہیں:

(۱) دو (۲) چار
(۳) چھے (۴) آٹھ

(ب) حمد کے چوتھے شعر میں بِن تیل کے چراغوں سے مراد ہے:

(۱) پھول (۲) ستارے
(۳) بلب (۴) ہیرے

(ج) اس دنیا کی ہر چیز قائم ہے:

(۱) تدبیر سے (۲) تکبیر سے
(۳) زنجیر سے (۴) تقدیر سے

(د) اس نظم میں لفظ آئین کا مطلب ہے:

(۱) طریقہ (۲) قانون
(۳) ضابطہ (۴) اصول

(ہ) کائنات میں سب کھیل ہیں:

(۱) ہمّت کے (۲) قدرت کے
(۳) عزّت کے (۴) فرصت کے
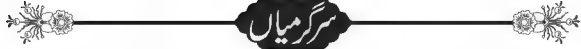
(۱) طلبہ اللہ تعالیٰ کی شان، قدرت اور صفات کے بارے میں بیس جملوں پر مشتمل چارٹ تیار کر کے کلاس میں آویزاں کریں۔

(۲) طلبہ یہ حمد ترنّم سے پڑھیں۔

❁ حمد وہ نظم ہے جس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔

❁ مثنوی اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کے قافیے الگ الگ ہوتے ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو حمد کی تعریف سے آگاہ کیجیے۔ (۲) دیگر شعراء کے منتخب حمدیہ اشعار طلبہ کو یاد کرائیے۔ (۳) تنہا شعر اور مصرعے کی علامت کے استعمال پر طلبہ کو متوجہ کیجیے۔
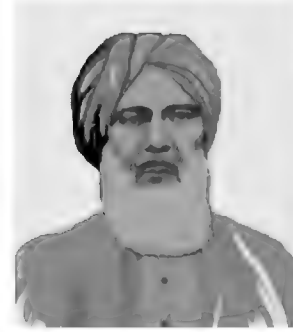
امیرؔ مینائی

ولادت: ۱۸۲۹ء وفات: ۱۹۰۰ء

امیرؔ احمد مینائی لکھنؤ کے ایک دینی و علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ آپ نے طبّ، لسانیات، تصوّف، فلسفہ، فِقہ، مَنطق، تاریخ، موسیقی، ریاضی اور قانون کے علوم حاصل کیے۔ آپ کا شمار بڑے علما میں کیا جاتا ہے۔ آپ کو اردو، فارسی اور عربی زبان پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے حمد، نعت، مثنوی، قصیدے اور غزل میں اظہارِ خیال کیا مگر خاص وجہِ شہرت نعتیہ شاعری ہے۔ آپ کی شاعری عوام میں بہت مقبول ہے۔ آپ کی کتب ''انتخابِ یادگار، صنم خانۂ عشق، امیر اللغات، مرأۃ الغیب، مینائے سخن، خیابانِ آفرینش اور محامدِ خاتم النّبیّین'' قابلِ ذکر ہیں۔ آپ اپنی کتاب ''امیر اللغات'' کی اشاعت کے لیے حیدر آباد (دکن) گئے اور وہیں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اس طرح تاریخِ نعت گوئی کی عظیم شخصیت ہم سے جدا ہو گئی۔

نعت

حاصلاتِ تعلّم: یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) حمد و نعت اور منقبت میں فرق جان سکیں۔ (۲) قافیے کی تعریف بیان کر سکیں اور نشان دہی کر سکیں۔ (۳) نعت کا مرکزی خیال بیان کر سکیں۔

خَلق کے سَروَر، شافعِ محشر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم
مُرسلِ داوَر، خاص پیمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم

نُورِ مُجسَّم، نَیّرِ اعظم، سَرورِ عالَم، مُونسِ آدمؑ
نُوحؑ کے ہَم دَم، خضرؑ کے رہ بَر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم

بحرِ سخاوت، کانِ مُروَّت، آیۂ رحمت، شافعِ اُمّت
مالکِ جنَّت، قاسمِ کوثر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم

رہ برِ موسیٰؑ، ہادیِ عیسیٰؑ، تارکِ دنیا، مالکِ عُقبیٰ
ہاتھ کا تکیہ، خاک کا بِستر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم

مہر سے مَملُو ریشہ ریشہ، نعت امیرؔ اب اپنا ہے پیشہ
وِرد ہمیشہ رہتا ہے اکثر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم

(ماخوذ از: ''محامدِ خاتم النبیین'' امیرؔ مینائی)

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) رسولِ اکرم ﷺ کو آیۂ رحمت کیوں کہا گیا ہے؟

(ب) اِس نعت میں کون کون سے نبیوں کا نام آیا ہے؟

(ج) قاسمِ کوثر سے کیا مراد ہے؟

(د) حمد اور نعت میں کیا فرق ہے؟

(ہ) نعت کے پہلے اور تیسرے شعر کی تشریح کیجیے۔

سوال۲: اِس نعت کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

سوال۳: نعت کے مطابق کالم ''الف'' کے الفاظ کالم ''ب'' سے ملائیے:

''الف''	''ب''
خلق کے	بستر
نوحؑ کے	تکیہ
خضرؑ کے	ہم دم
ہاتھ کا	رہ بر
خاک کا	سرور

✲ یہ اشعار غور سے پڑھیے:

خلق کے سرور، شافعِ محشر صلّی اللہ علیہ وسلّم
مرسلِ داور، خاص پیمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم
نورِ مجسم، نیّرِ اعظم، سرورِ عالم، مونسِ آدمؑ
نوحؑ کے ہم دم، خضرؑ کے رہ بر صلّی اللہ علیہ وسلّم

ان اشعار میں محشر، پیمبر اور رہ بر کے الفاظ قافیے ہیں اور '' صلی اللہ علیہ وسلّم '' ردیف ہے۔ وہ لفظ یا الفاظ جو قافیے کے بعد آتے ہیں، ردیف کہلاتے ہیں۔ یاد رہے کہ بعض

اوقات کوئی شعر قافیے ہی پر مکمل ہو جاتا ہے، کیوں کہ شعر کے لیے قافیہ ضروری ہے، ردیف لازم نہیں۔

وہ حروف و حرکات جو اشعار کے آخر میں آئیں، قافیہ کہلاتے ہیں۔ قافیے کے حروف تبدیل ہوتے ہیں۔

سوال۴: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) شام اور نام کے پانچ قوافی درج کیجیے۔

(ب) امیر مینائی کی نعت میں کون کون سے قافیے استعمال ہوئے ہیں؟

(ج) ردیف کون سے الفاظ ہوتے ہیں؟

سوال۵: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) شاعر نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو نوحؑ کا کہا ہے:

(۱) دوست (۲) بزرگ

(۳) ہم دم (۴) رہ بر

(ب) شاعر نے بحرِ سخاوت کہا ہے:

(۱) حضرت آدمؑ کو (۲) حضرت موسیٰؑ

(۳) حضرت عیسیٰؑ (۴) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

(ج) نعت میں توصیف کی جاتی ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی (۲) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی

(۳) انبیائے کرامؑ کی (۴) صحابہ کرامؓ کی

(د) تارکِ دنیا سے مراد ہے:

(۱) دنیا کو چاہنے والا (۲) دنیا سے بے زار

(۳) دنیا کو چھوڑنے والا (۴) دنیا میں مصروف

(۵) اس نعت میں مذکور انبیاء کی تعداد ہے

(۱) چار (۲) پانچ

(۳) چھے (۴) سات

سرگرمیاں

(۱) طلبہ نعت ترنّم سے پڑھیں۔

(۲) طلبہ کوئی ایک نعت یا مختلف نعتوں کے پانچ اشعار یاد کریں۔

❁ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف جس نظم میں کی جائے اسے نعت کہتے ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو نعت لکھنے، پڑھنے اور سننے کے آداب سے آگاہ کیجیے۔

(۲) یہ نعت طلبہ سے کورس کی صورت میں پڑھوائیے۔

(۳) حمد، نعت اور منقبت میں فرق طلبہ کو سمجھائیے۔

نظیر اکبر آبادی

ولادت: ۱۷۳۵ء وفات: ۱۸۳۰ء

نظیر اکبر آبادی کا نام ولی محمد اور تخلص نظیر تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ گورنر آگرہ نواب سلطان کی بیٹی تھیں۔ احمد شاہ ابدالی نے جب دہلی پر حملہ کیا تو آپ اپنی والدہ اور دادی کے ہم راہ اکبر آباد چلے آئے، اس نسبت سے اکبر آبادی کہلائے۔ اردو اور فارسی زبان پر انھیں دست رس حاصل تھی۔ اس کے علاوہ عربی، پوربی، ہندی اور پنجابی زبانوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

نظیر اردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے نظمیہ شاعری کو فروغ دیا۔ آپ کی شاعری کے موضوعات انسان، فطرت، سماج وغیرہ ہیں۔ وہ ایک خالص عوامی شاعر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں تیوہار، فطرت، سماج اور معاش کے مختلف پہلوؤں کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ "برسات کی بہاریں، آدمی نامہ، ہنس نامہ اور بنجارہ نامہ" وغیرہ اُن کی معروف نظمیں ہیں۔ ''کلیاتِ نظیر اکبر آبادی'' اردو ادب کا عظیم سرمایہ ہے۔

برسات کا تماشا

حاصلاتِ تعلّم: یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) درست لب و لہجے اور صحیح تلفظ سے نظم پڑھ سکیں۔
(۲) ساخت کے لحاظ سے نظم کی ہیئت بتا سکیں۔ (۳) بند کی تعریف کر سکیں۔

خورشید گرم ہوکر نِکلا ہے اپنے گھر سے
لیتا ہے مول بادل کر کر تلاش، زَر سے
آئی ہوا بھی لے کر بادل کو ہر نگر سے
آدھے اَساڑھ تو اب دُشمن کے گھر سے بَرسے
آیار! چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

قاصد صَبا کے دوڑے ہر طرف مُنھ اُٹھا کر
ہر کوہ و دَشت کو بھی کہتے ہیں یوں سنا کر
ہاں سبز جوڑے پہنو ہر دم نَہا نَہا کر
کوئی دَم کو مَیگھ راجا دیکھے گا سب کو آ کر
آیار! چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

جب یہ نَوید پُہنچی صحرا میں ایک بَارِی
ہونے لگی وہاں پھر برسات کی تیّاری
چشموں میں کوہ کے بھی ہوئی سب کی انتظاری
موسم کے جانور بھی آتے ہیں بارِی بارِی
آیار! چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

ساوَن کے بادلوں سے پھر آ گھٹا جو چھائی
بجلی نے اپنی صورت پھر آن کر دکھائی
ہو مَست رَعد گرجا کوئل کی کُوک آئی
بدلی نے کیا مزے کی رِم جھم جھَڑی لگائی
آیار! چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

کالی گھٹا ہے ہردم، برسے ہیں مینھ کی دھاریں
اور جس میں اُڑ رہی ہیں بگلوں کی سَو قطاریں
کوئل پپیہے کُوکیں اور کُوک کر پکاریں
اور مور مست ہوکر جوں کُوکلا چِنگھاریں
آیار! چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

بَنگلے سبھوں نے ہرجا اونچے چھوائے زَر، دے
میوے مِٹھائی انبہ انگور اور سردے
پکوان تازے تازے خاصے، پلاؤ، زَردے
بَرسے ہے ابرِ باراں کھُلوادیے ہیں پَردے
آیار! چل کے دیکھیں برسات کا تماشا

(ماخوذ از: ''کلیاتِ نظیرؔ اکبرآبادی'')

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) خورشید کس طرح گھر سے نکلا ہے؟

(ب) اس نظم میں صبا کے قاصد سے کیا مراد ہے؟

(ج) اس نظم کے چوتھے بند میں کیا منظر دکھایا گیا ہے؟

(د) صبا نے کوہ و دشت اور صحرا میں کیا نوید سنائی؟

(ہ) کون کون سے جانور برسات سے لطف اُٹھا رہے تھے؟

(و) ساخت کے لحاظ سے اس نظم کا کیا نام ہے؟

سوال ۲: آپ برسات سے کیسے لطف اندوز ہوتے ہیں؟

سوال ۳: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) بارش کی وجہ سے تازے تازے موجود ہیں:

(۱) پھل (۲) میوے (۳) مٹھائی (۴) پکوان

(ب) کالی گھٹا سے چنگھار رہے ہیں:

(۱) ہاتھی (۲) مور (۳) کُویل (۴) بگلے

(ج) کالی گھٹا میں اُڑ رہی تھیں:

(۱) کُوئیلوں (۲) بگلوں (۳) بجلیوں (۴) کُوکلوں

(د) صبا سے ہوا مراد ہے:

(۱) سمندر کی (۲) باغ کی (۳) صحرا کی (۴) ریگستان کی

(ہ) بارش میں تیار ہوتے ہیں:

(۱) پھل (۲) پھول (۳) پکوان (۴) لباس

سوال ۴: سطر (الف) کے الفاظ سے سطر (ب) کے الفاظ کے جوڑے بنائیے:

(الف) چنگھار - بادل - دشت - صبا - رعد - جھڑی

(ب) صحرا - گرج - مینھ - ہوا - مور - گھٹا

سوال ۵: خالی جگہوں کو درست الفاظ سے پُر کیجیے:

(الف) آئی ہوا بھی لے کر..........کو ہر نگر سے

(ب) ہر کوہ و.......... کو بھی کہتے ہیں یوں سنا کر

(ج) جب یہ نوید پہنچی..........میں ایک باری

(د) ہو مست..........گرجا کُویل کی کُوک آئی

سرگرمیاں
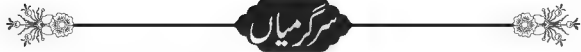
(۱) اس نظم میں ہر بند کے قافیے اور ردیفیں ایک چارٹ پر لکھ کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

(۲) جماعت میں گروپ بنا کر ہر گروپ ایک ایک بند ترنم اور لَے سے پڑھے۔

❁ نظم: اشعار کا ایسا مجموعہ جس میں ایک مرکزی خیال ہو۔ اس کے لیے کسی موضوع کی قید نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ہیئت مقرر ہے۔

- بند: دو سے زیادہ مصرعوں کا مجموعہ جس میں کوئی بات مکمل کی جائے۔
- مخمس: ایسی نظم کو کہتے ہیں جس کے ہر بند میں پانچ مصرعے ہوں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو نظم، بند اور مخمس کے بارے میں مفصّل بتائیے۔ (۲) طلبہ کی دونوں سرگرمیوں کی نگرانی اور رہ نمائی کیجیے۔ (۳) اس نظم کی خواندگی ترنّم، درست تلفظ اور مناسب زیر و بم سے کیجیے۔

علّامہ محمد اقبالؔ

ولادت: ۱۸۷۷ء وفات: ۱۹۳۸ء

شیخ محمد اقبالؔ سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ نور محمد تھا۔ سیال کوٹ سے ایف۔ اے پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔اے کیا۔ انگلستان سے بیرسٹری اور جرمنی کی ہائیڈل برگ یونی ورسٹی سے پی.ایچ. ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ واپسی پر لاہور میں سکونت اختیار کرلی۔ بیرسٹری کا پیشہ اپنایا۔

''بانگِ درا، ضربِ کلیم، بالِ جبریل'' اور ''ارمغانِ حجاز'' اِن کے اُردو کلام پر مشتمل ہیں۔ مغربی علوم سے کماحقہٗ آگہی کے ساتھ مشرقی علوم، قرآن، سیرت اور تاریخ اسلام کے گہرے مطالعے نے ان کے میدانِ فکر کو اتنی وسعت بخشی تھی کہ جس کا اِحاطہ ممکن نہیں۔ اقبالؔ نہ صرف ایک اچھے قانون دان، سیاست دان، صوفی، تحریکِ پاکستان کی اہم شخصیت بلکہ پاکستان کے قومی شاعر بھی ہیں۔

پہلے ''وطن دوستی اور بعد میں مِلّت دوستی اور یہیں سے انسان دوستی'' ان کی شاعری کے اہم موضوعات ہیں۔ اقبالؔ نے مسلمان کو مسلمان بننے اور خود کو پہچان کر عشقِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم ، یقین اور عمل کے راستے پر چلنے کا سبق دیا۔ نیز مسلمانوں کے سیاسی شعور کو صحیح سمت عطا کی۔
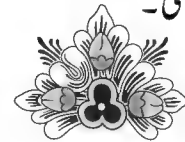
دُنیاے اسلام

حاصلاتِ تعلّم: یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) ردیف کی نشان دہی کرسکیں۔ (۲) نظم کا مرکزی خیال لکھ سکیں۔ (۳) مجازِ مرسل کی تعریف بیان کرسکیں اور پہچان سکیں۔ (۴) نئے الفاظ سیکھ سکیں۔

کیا سُناتا ہے مجھے تُرک و عَرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و سَاز

حِکمتِ مغرب سے مِلّت کی یہ کیفیّت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز

ہوگیا مانندِ آب ارزاں مُسلماں کا لہُو
مُضطرِب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

ربط وضبطِ مِلّتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اِس نُکتے سے اب تک بے خبر

ایک ہوں مُسلم حَرَم کی پاسبانی کے لیے
نِیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر

جو کرے گا امتیازِ رنگ وخوں مٹ جائے گا
تُرکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گُہر

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مُقدّم ہوگئی
اُڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر

(ماخوذ از: ''کلیاتِ اقبال'')

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) مسلمانوں میں اتحاد کیوں ضروری ہے؟

(ب) امتیازِ رنگ وخوں سے کیا مراد ہے؟

(ج) علامہ اقبال کے ان اشعار میں مسلم ملّت کے لیے کیا پیغام ہے؟

سوال۲: درج ذیل الفاظ وتراکیب کے معنی بتائیے:

پِنہاں- حکمتِ مغرب - گاز - دانائے راز- ملّتِ بیضا

سوال۳: درج ذیل اشعار کی وضاحت کیجیے:

ـ حکمتِ مغرب سے مِلّت کی یہ کیفیّت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتا ہے گاز

ـ نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدّم ہوگئی
اُڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر

سوال۴: درج ذیل بیانات میں سے درست بیان پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) ملّی اتحاد کے لیے تعصّب نقصان دہ ہے۔ (   )

(ب) قومی ترقی کے لیے اتحاد کی کوئی ضرورت نہیں۔ (   )

(ج) نظم کے ان اشعار میں قوافی ہیں مگر ردیف نہیں ہے۔ (   )

(د) گاز، سونے کے ٹکڑے جوڑ دیتا ہے۔ (   )

(ہ) ملّتِ بیضا کے ربط وضبط میں مشرق کی نجات ہے۔ (   )

سوال۵: اپنی کتاب کی دوسری نظموں یا غزلوں کے پانچ اشعار لکھ کر ردیف اور قافیے کی نشان دہی کیجیے۔

سوال۶: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) اس نظم میں نیل سے مراد ہے:

(۱) ندی (۲) نیلا رنگ

(۳) دریا (۴) جھیل

(ب) نظم ''دُنیائے اسلام'' سے سبق ملتا ہے:

(۱) نفاق کا (۲) اتحاد کا

(۳) خوش اخلاقی کا (۴) جنگ کا

(ج) اس نظم میں داستان سنانے کا ذکر ہے:

(۱) ایران وتوران کی (۲) ترک وعرب کی

(۳) مشرق ومغرب کی (۴) شمال وجنوب کی

(د) کاشغر شہر ہے:

(۱) عربستان کا (۲) افغانستان کا

(۳) ترکستان کا (۴) چین کا

(ہ) جو امتیازِ رنگ وخوں کرے گا وہ:

(۱) باقی رہے گا (۲) خوش رہے گا

(۳) مٹ جائے گا (۴) ترقی کرے گا

✽ درج ذیل شعر غور سے پڑھیے:

ے نظارۂ جہاں سے ترو تازہ رکھیے آنکھ

تفریح پارک میں سحر وشام کیجیے

اس شعر میں صرف پارک کی تفریح کر لینے کو سارے جہاں کا نظارہ کر لینا بتایا گیا ہے۔ حال آں کہ پارک تو تمام جہاں کے باغوں کا صرف ایک حصّہ ہے، کل جہاں نہیں ہے۔ بس کُل کے بدلے جُزو کا نام لے کر اُسے کُل سمجھنا ''مجازِ مرسل'' کہلاتا ہے۔

سوال ۷: اس نظم میں مجازِ مرسل کے طور پر کون کون سے لفظ استعمال ہوئے ہیں؟

(۱) طلبہ، علامہ اقبالؔ کی کوئی نظم ٹیبلو کی صورت میں پیش کریں۔

(۲) ہر طالبِ علم علامہ اقبالؔ کے پانچ اشعار یاد کر کے سنائے۔

✽ ملّی شاعری سے مراد وہ شاعری ہے جس میں عالمِ اسلام کی ترقی اور فلاح کا ذکر ہو۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) فکرِ اقبالؔ کے اہم عناصر آسان الفاظ میں طلبہ کو سمجھائیے۔

(۲) اسلام کے موضوع پر علامہ اقبالؔ کی مزید نظموں کی تلاش میں طلبہ کی مدد کیجیے۔

ابوالاثر حفیظؔ جالندھری

ولادت: ۱۹۰۰ء وفات: ۱۹۸۲ء

محمد حفیظ نام، حفیظ ہی تخلص اور ابوالاثر کُنیت تھی۔ جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جالندھر ہی میں حاصل کی۔ لاہور آ کر ''ہونہار بک ڈپو'' قائم کیا اور علمی و ادبی کتابوں کی طباعت و اشاعت میں مصروف ہو گئے۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران وہ دہلی میں سانگ پبلسٹی آرگنائزیشن (Song Publicity Organization) کے ڈائریکٹر جنرل مقرر ہوئے۔

ان کے شعری ذوق کو مولانا غلام قادر گرامی کی شاگردی نے چمکایا۔ پہلے غزلیں کہیں، پھر گیت لکھے۔ اس کے بعد ''شاہ نامۂ اسلام'' جیسی شاہ کار نظم لکھی۔ ان کی نظموں کے مجموعے ''نغمہ زار، سوز و ساز، تلخابۂ شیریں'' ہیں۔ ہمارا قومی ترانہ بھی آپ ہی نے لکھا۔

سرِ راہِ شہادت

حاصلاتِ تعلّم: یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) مطلعے کی تعریف کر سکیں اور نشان دہی کر سکیں۔
(۲) نظم کی تشریح کر سکیں۔ (۳) استعارے کے بارے میں جان سکیں۔

وہ حمزہؓ ناز تھا اہلِ عرب کو جس کی طاقت پر
فِدا ہونے چلا تھا اب بھتیجے کی صَداقت پر

رسولِؐ پاک کے چہرے سے اِک رِقّت نمایاں تھی
یہ وہ رحمت تھی جس کی کوئی غایت تھی نہ پایاں تھی

نگاہیں مُضطَرِب، ہلکا تبسُّم رُوئے زیبا پر
تصوّر مطمئن تھا مرضیٔ عرشِ مُعَلّٰی پر

ہُوا اِرشاد اے عَمِّ خُجستہ فام، بِسم اللہ
خدا حافظ ہے کیجیے نصرتِ اسلام، بِسم اللہ

یہ اِقدامِ شہادت بر سبیلِ حُسنِ نیّت ہے
محمدؐ اُس پہ راضی ہے جو اللہ کی مَشیّت ہے

یہ فرما کر دکھائی انتہائی شانِ رَحمانی
کہ بڑھ کر چُوم لی سرکارؐ نے حمزہؓ کی پیشانی

وُفُورِ نورِ حق سے چہرۂ حمزہؓ چمک اُٹّھا
جِلا کُندن نے پائی یہ زَرِ خالص دَمک اُٹّھا

(ماخوذ از: ''شاہ نامۂ اسلام'')

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) حضرت حمزہؓ کو میدانِ جنگ میں جاتے دیکھ کر رسولِ پاکؐ کی کیا کیفیت تھی؟

(ب) حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا فرما کر حضرت حمزہؓ کی پیشانی چومی؟

(ج) حضرت حمزہؓ نے کس معرکے میں جامِ شہادت نوش کیا؟

(د) اس نظم کا خلاصہ بیان کیجیے۔

سوال۲: درج ذیل الفاظ وتراکیب کے معنی بتائیے:

رقّت - روئے زیبا - عرشِ مُعلّٰی - مشیّت - حُسنِ نیّت

سوال۳: نظم کے پہلے شعر کی تشریح کیجیے۔

✽ غزل اور قصیدے کے پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔ مطلعے کے دونوں مصرعوں کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ جیسے میر تقی میرؔ کی ایک غزل کا مطلع ہے:

؎ فقیرانہ آئے، صدا کر چلے ـــــ میاں خوش رہو، ہم دُعا کر چلے

اس مطلعے میں صدا اور دُعا قافیہ ہے جب کہ ''کر چلے'' ردیف ہے۔ یاد رہے کہ ردیف

کے بغیر بھی مطلع ہو سکتا ہے، جیسے علامہ اقبالؔ کی غزل کا یہ مطلع:

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مُرغِ چمن

سوال۴: اپنی کتاب کے حصّۂ نظم سے پانچ مطلعے تلاش کیجیے۔

سوال۵: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) حضرت حمزہؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے:

(۱) ماموں تھے　　(۲) خالو تھے
(۳) چچا تھے　　(۴) تایا تھے

(ب) حضرت حمزہؓ کا اقدامِ شہادت تھا:

(۱) غلبۂ اسلام پر　　۲) شکست باطل پر
(۳) حسنِ نیت پر　　(۴) جنگ میں فتح پر

(ج) اہلِ عرب کو امیر حمزہؓ کی اس خوبی پر ناز تھا:

(۱) خوش اخلاقی　　(۲) شان و شوکت
(۳) طاقت　　(۴) رحم دلی

(د) وہ صحابی جن کے شوقِ شہادت سے خوش ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کی پیشانی چومی:

(۱) حضرت طلحہؓ ہیں　　(۲) حضرت حمزہؓ ہیں
(۳) حضرت مصعبؓ ہیں　　(۴) حضرت خالدؓ ہیں

❁ اس شعر کو غور سے پڑھیے:

کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

اس شعر میں انیسؔ نے واقعۂ کربلا کے ذکر میں حضرت عباسؓ کی میدانِ جنگ میں

تشریف آوری کا نقشہ کھینچا ہے۔ ان کی بہادری، ہیبت اور عزم و حوصلے کی عظمت بیان کرتے ہوئے شیر کی جرأت اور بہادری کی مثال دی گئی ہے۔ شیر ایک درندہ ہے لیکن اس کی بہادری اور شجاعت کی صفت سامنے رکھتے ہوئے حضرت عباسؓ کی بہادری اور شجاعت بیان کی گئی ہے۔ یعنی شیر کا لفظ اپنے اصلی اور حقیقی معنوں میں استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ اس طرح جو مثال یا تشبیہ دی جاتی ہے اسے ادب میں ''استعارہ'' کہتے ہیں۔ استعارے کے پانچ ارکان ہوتے ہیں:

۱- مُستعَار منہٗ: وہ شخص، فرد یا چیز جس سے مثال دی جائے یعنی شیر۔
۲- مُستعَار لہٗ: وہ شخص، فرد یا چیز جس کے لیے مثال دی جائے، یعنی حضرت عباسؓ۔
۳- وجہِ جامع: وہ صفت یا خوبی جو دونوں میں موجود ہو، یعنی شجاعت اور بہادری۔
۴- مُستعَار: وجہِ جامع یا خوبی کو بیان کرنے کے لیے مُستعَار منہ سے لیا گیا لفظ، یعنی شیر۔
۵- غرضِ استعارہ: وہ غرض یا مقصد جس کے لیے استعارہ استعمال کیا گیا، یعنی حضرت عباسؓ کی شجاعت اور بہادری بیان کرنا۔
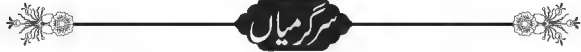
(۱) طلبہ مختلف مشاہیرِ اسلام کے بارے میں اختصار سے اظہارِ خیال کریں۔
(۲) ہر طالبِ علم الگ الگ مشاہیرِ اسلام کی فہرست مرتب کرے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) اسلام کے لیے حضرت امیر حمزہؓ کی خدمات سے طلبہ کو آگاہ کیجیے۔
(۲) مشاہیرِ اسلام کے حوالے سے مزید معلومات کی تلاش میں طلبہ کی مدد کیجیے۔

میر انیسؔ

ولادت:۱۸۰۳ء   وفات:۱۸۷۴ء

میر ببر علی نام، انیسؔ تخلص، فیض آباد (ہندوستان) کے سیّد گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت امامِ موسیٰ کاظمؑ کی اولاد میں سے تھے۔

آپ نے شاعری میں فارسی اور عربی زبان کے الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ انیسؔ نے ہزاروں نوحے اور بہت سے سلام تحریر کیے۔ آپ نے "واقعۂ کربلا" کو اپنے اشعار میں نہایت کمال سے منظر نگاری، کردار نگاری اور مکالمہ نگاری کی صورت میں پیش کیا ہے۔ لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ انتقال کی خبر سنتے ہی لوگوں کا ہجوم اُن کے گھر اُمڈ آیا۔ اُن کی تدفین گھر ہی میں ہوئی۔ مرثیہ نگاری کی تاریخ میں اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

گرمی کی شِدّت

حاصلاتِ تعلّم: یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) تشبیہ کی تعریف بیان کر سکیں اور نشان دہی کر سکیں۔ (۲) مسدّس کے بارے میں جان سکیں۔ (۳) مرثیے کے بارے میں جان سکیں۔

وہ لُو، وہ آفتاب کی حِدّت، وہ تاب و تَب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ عَلْقَمَہ کے بھی سُوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حَبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک، خشک تھا چَشمہ حَیات کا
کھَولا ہُوا تھا دھوپ سے پانی فُرات کا

آبِ رواں سے مُنھ نہ اُٹھاتے تھے جانور
جنگل میں چھُپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مَردُم تھے سات پردوں کے اندر عَرَق میں تر
خس خانۂ مِژَہ سے نکلتی نہ تھی نَظَر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نِگاہ میں

کوسوں کسی شجر میں نہ گُل تھے نہ بَرگ و بَار
ایک ایک نَخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گُل نہ مہکتا تھا سَبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی پھولوں کی ہر شاخِ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مَدقُوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہُو نہ مُنھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مُکدّر غُبار سے
گَردُوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بُخار سے
گرمی سے مُضطَرِب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گِرتا تھا دانہ زمین پر

(ماخوذ از: ''کُلیاتِ اَنیسؔ'')

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اس نظم کی ہیت بتایئے۔

(ب) شاعر نے پودوں پر گرمی کی شدّت کی منظر کشی کیسے کی ہے؟

(ج) نظم کے دوسرے بند کی وضاحت کیجیے۔

(د) اس نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

سوال ۲: درج ذیل الفاظ اور تراکیب کے معنی بتایئے:

حدّت- طائر- خانۂ مژہ- برگ و بار- مکدّر

سوال ۳: خالی جگہوں میں مناسب الفاظ لکھ کر مصرعے مکمل کیجیے:

(الف) اُڑتی تھی..........خشک تھا چشمہ حیات کا

(ب) جنگل میں چُھپتے پھرتے تھے..........اِدھر اُدھر

(ج) خیمے جو تھے..........کے تپتے تھے سب کے سب

(د) گرمی یہ تھی کہ..........سے دل سب کے سرد تھے

✲ علامہ اقبالؔ کے درج ذیل شعر کو غور سے پڑھیے:

؎ جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

اس شعر میں جگنو کو اُس کی روشنی کی وجہ سے شمع سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ بس کسی ایک چیز کو دوسری چیز جیسا ظاہر کرنا تشبیہ کہلاتا ہے۔ جیسے: موتیوں جیسے دانت، چاند جیسا چہرہ یا جھیل جیسی آنکھیں۔ جس چیز کو تشبیہ دی جاتی ہے، اُسے مُشَبَّہ اور جس چیز سے تشبیہ دی جائے اُسے مُشَبَّہ بہ کہتے ہیں۔

سوال ۴: آپ اس طرح کا کوئی شعر سنایئے جس میں تشبیہ دی گئی ہو۔

سوال ۵: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگایئے:

(الف) کسی مرنے والے کی یاد میں کہی گئی نظم کہلاتی ہے:

(۱) غزل (۲) مرثیہ (۳) مناجات (۴) قصیدہ

(ب) عَلقَمَہ ہے:

(۱) نہر (۲) دریا (۳) چشمہ (۴) سمندر

(ج) ''دل سرد ہونا'' قواعد کے لحاظ سے ہے:

(۱) استعارہ (۲) تشبیہ (۳) محاورہ (۴) روزمرّہ

(د) کتاب میں دی ہوئی نظم ''گرمی کی شدّت'' میں بند ہیں:

(۱) دو (۲) تین (۳) چار (۴) پانچ

(ہ) میر انیسؔ کی نظم میں گرمی کا ذکر ہے:

(۱) دمشق کی (۲) کربلا کی (۳) کوفے کی (۴) مکے کی

(۱) چاروں موسموں کی کیفیات اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

(۲) میر انیس کے مزید اشعار کتابوں سے تلاش کر کے لکھیں اور استاد/ استانی کو دکھائیں۔

❁ مرثیہ، کسی مرنے والے کی یاد میں کہی گئی نظم کو کہتے ہیں اس میں مرنے والے کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔

❁ آپ جانتے ہیں کہ ایک شعر دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے مگر ایک بند کے لیے دو سے زیادہ مصرعوں کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے نظم ''گرمی کی شدّت'' کا ہر بند چھے مصرعوں پر مشتمل ہے۔ چھے مصرعوں کی نظم کو مسدّس کہتے ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ سے میر انیسؔ کے دیگر شعر پڑھوائیے۔ (۲) صنفِ مرثیہ کے بارے میں ضروری باتیں طلبہ کو بتائیے۔ (۳) طلبہ کو مسدّس کے بارے میں تفصیل سے بتائیے۔

جمیل الدین عالیؔ

ولادت: ۱۹۲۵ء وفات: ۲۰۱۵ء

نواب زادہ مرزا جمیل الدین احمد خان دہلی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ دہلی سے بی۔اے کیا۔ محکمۂ انکم ٹیکس میں افسر ہوئے۔ پھر ایوانِ صدر میں بھی افسر بہ کارِ خاص، نیشنل بینک میں سینئر ایگزیکٹو، وائس پریزیڈنٹ، پاکستان بینکنگ کونسل میں اعلیٰ عہدوں پر رہے۔ مجلسِ قائمہ برائے سائنس اور تعلیم کے چیئرمین کے عہدے پر بھی خدمات انجام دیں۔ عالی صاحب نے ادب کے میدان میں متعدد انعامات اور ایوارڈ حاصل کیے۔ ٹیلی وژن پر ملّی نغموں کے بانی اور کمپیئر رہے۔ پاکستانی مَندُوب کی حیثیت سے چین، روس، امریکہ، عراق، برلن، روم اور بھارت میں شرکت کی۔ غزلوں، دوہوں، سفرناموں، کالموں کے متعدد مجموعے شایع ہوئے۔ کئی مجموعے ابھی زیرِ طبع ہی تھے کہ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ''دنیا مرے آگے ، تماشا مرے آگے ، نقار خانے میں ، لاحاصل اور جیوے جیوے پاکستان'' جیسی کتابیں اور شعری مجموعے اُن کے ادبی شاہ کار ہیں۔

جیوے جیوے پاکستان

حاصلاتِ تعلّم: یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) قومی نغمہ پڑھ سکیں۔ (۲) دوسرے شعرا کے نغمے لکھ کر لاسکیں۔ (۳) نغمہ خوانی کے مقابلوں کی تیاری کرسکیں۔ (۴) ملّی اور قومی نغموں میں فرق کرسکیں۔

جیوے، جیوے، جیوے پاکستان
پاکستان، پاکستان، جیوے پاکستان
پاکستان، پاکستان، جیوے پاکستان
جیوے ...... جیوے
جیوے ...... جیوے

مہکی مہکی روشن روشن پیاری پیاری نیاری
رنگ برنگے پھولوں سے اِک سجی ہوئی پُھلواری
پاکستان، پاکستان، جیوے پاکستان

مَن پنچھی جب پنکھ ہلائے کیا کیا سُر بکھرائے
سُننے والے سنیں تو اُن میں ایک ہی دُھن لہرائے
پاکستان، پاکستان، جیوے پاکستان

بِکھرے ہوؤں کو، بچھڑے ہوؤں کو، اِک مرکز پر لایا
کِتنے ستاروں کے جُھرمَٹ میں سُورج بن کر آیا
پاکستان، پاکستان، جیوے پاکستان

جھیل گئے دکھ جھَیلنے والے اب ہے کام ہمارا
ایک رہیں گے ایک رہے گا ایک ہے نام ہمارا
پاکستان، پاکستان، جیوے پاکستان

(ماخوذ از: ''عالی جی کی نغمہ نگاری'')

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ''اک سجی ہوئی پھلواری'' شاعر نے کسے کہا ہے؟

(ب) ''جھیل گئے دکھ جھیلنے والے'' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(ج) اس نغمے کے پہلے بند کی تشریح کیجیے۔

(د) شاعر نے آخری بند میں کیا پیغام دیا ہے؟

سوال۲: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) ہماری دُھن ہے:

(۱) ایمان (۲) اتحاد
(۳) پاکستان (۴) ترقی

(ب) بچھڑے ہوؤں کو ایک مرکز پر لایا:

(۱) ہمارا قائد (۲) ہمارا پرچم
(۳) ہمارا نغمہ (۴) ہمارا وطن

(ج) ایک ہے نام ہمارا سے مراد ہے:

(۱) ایران (۲) پاکستان

(۳) سعودی عرب (۴) چین

(د) ''ستاروں کے جُھرمَٹ'' سے شاعر کی مراد ہے دنیا کے:

(۱) لوگ (۲) براعظم

(۳) سمندر (۴) ممالک

سوال۳: درج ذیل الفاظ اور مرکبات کے معنی لکھیے:

مہکی مہکی - روشن روشن - نیاری - پھلواری - جُھرمَٹ

سوال۴: درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے:

پنچھی - جُھرمٹ - دُھن - مَرکز - دُکھ

سوال۵: اس نغمے کا خلاصہ بیان کیجیے۔
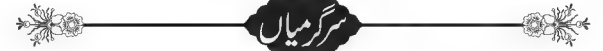
(۱) طلبہ یہ نغمہ جماعت میں کورَس کی صورت میں گائیں۔

(۲) طلبہ اپنی پسند کا کوئی ملّی اور قومی نغمہ یاد کر کے سنائیں۔

✽ قومی شاعری سے مراد وہ مقصدی شاعری ہے جو قومی امنگوں کی ترجمان ہو اور جس میں قوم کا درد، قوم کی خوش حالی کی تمنّا اور ترقّی کی آرزو ہو۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) بچّوں کے مابین نغمہ خوانی کا مقابلہ کرائیے۔ (۲) بین المدارس، بورڈ، بین الصوبائی اور قومی سطح کے مقابلۂ نغمہ خوانی کے لیے مشق کرائیے۔

(۳) طلبہ کو بتائیے کہ ملّی نغمے اور قومی نغمے میں کیا فرق ہے۔

دلاور فگاؔر

ولادت: ۱۹۲۹ء وفات: ۱۹۹۸ء

نام دلاور حسین تھا۔ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ یہیں ابتدائی تعلیم پائی۔ آگرہ یونی ورسٹی سے ایم۔اے اردو، انگریزی اور معاشیات میں کیا۔ اس کے بعد ہجرت کر کے کراچی آئے اور عبداللہ ہارون کالج میں بہ حیثیت استاد اردو پڑھانے لگے۔ آپ نے شعر گوئی کا آغاز ۱۴ سال کی عمر سے کیا۔

دلاور فگاؔر ایک شاعر، مزاح نگار اور نقاد تھے۔ آپ کی غزلوں کا مجموعہ ''حادثے'' اور ایک طویل نظم ''ابوقلموں کی مصری'' بہت مقبول ہوئی۔ مزاحیہ شاعری میں قطعوں اور رباعیوں کا مجموعہ ''سِتم ظریفیاں'' بہت دل چسپ ہے۔
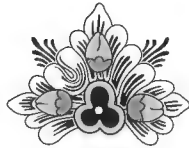
کِرکِٹ اور مُشاعَرہ

حاصلاتِ تعلّم: یہ نظم پڑھ کر طلبہ: (۱) مزاحیہ شاعری سے محظوظ ہو سکیں۔
(۲) مختلف شعرا کی مزاحیہ نظمیں پڑھ کر سنا سکیں۔ (۳) مزاحیہ نظموں کا انتخاب کر سکیں۔

مشاعَرے کا بھی تفریح ''ایم'' ہوتا ہے
مشاعَرے میں بھی کرکٹ کا ''گیم'' ہوتا ہے

وہاں جو لوگ کھلاڑی ہیں وہ یہاں شاعر
یہاں جو صدر نشیں ہے وہاں ہے ''اَمپائر''

وہاں ریاضِ مسلسل سے کام چلتا ہے
یہاں گلے کے سہارے کلام چلتا ہے

وہاں بھی کھیل میں ''نو بال'' ہو تو ''فاؤل'' ہے
یہاں بھی شعر میں اِبہام ہو تو ''فاؤل'' ہے

وہاں ہے ایک ہی کپتان پوری ٹیم کی جان
یہاں ہر ایک ''پلییَر'' بہ جائے خود کپتان

وہاں جو لوگ اناڑی ہیں وقت کاٹتے ہیں
یہاں بھی کچھ مُتشاعر دماغ چاٹتے ہیں

مرے خیال کو اہلِ نظر کریں گے ''کیچ''
مشاعَرہ بھی ہے اک طرح کا ''کرکٹ میچ''

(ماخوذ از: کُلیاتِ دلاور فگار)

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) شاعر نے مشاعرے اور کرکٹ کا موازنہ کس طرح کیا ہے؟

(ب) اس نظم میں کس صنف میں شاعری کی گئی ہے؟

(ج) ''گلے کے سہارے کلام چلتا ہے'' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

(د) نظم کے آخری شعر کا کیا قافیہ ہے؟

(ہ) ''مشاعرہ بھی ہے اک طرح کا کرکٹ میچ'' یہ بات درست ہے یا غلط اور کیوں؟ بتایئے۔

سوال۲: شاعر نے ''شاعر'' اور ''امپائر'' کے الفاظ کس کے لیے استعمال کیے ہیں؟

سوال۳: اس نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

سوال۴: درج ذیل الفاظ وتراکیب کے معنی لکھیے :

تفریح-صدر نشیں-ریاضِ مسلسل-ابہام-متشاعِر

سوال۵: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر(✓) کا نشان لگائیے:

(الف) اس نظم میں لفظ ''مشاعرہ'' سے مراد ہے:

(۱)شعر سننے سنانے کی محفل (۲) کرکٹ کا کھیل

(۲)صرف تفریح (۳)مصروفیت

(ب) کرکٹ کی طرح مشاعرے میں بھی ہوتا ہے:

(۱)امپائر (۲) کپتان (۳)صدر نشیں (۴)پلیئر

(ج) یہ نظم مضمون کے لحاظ سے ہے:

(۱)سنجیدہ (۲)علمی (۳)مزاحیہ (۴)سیاسی

(د) اس نظم میں پلیئر سے مراد ہے:

(۱) کھلاڑی (۲)شاعر (۳) کپتان (۴)امپائر

سوال:۶ آپ کا ''پسندیدہ کھیل'' کون سا ہے؟ ایک سو الفاظ کا مضمون لکھیے۔

سرگرمی

طلبہ مختلف مزاحیہ شعرا کے دیوان لے کر ان میں سے کوئی مزاحیہ نظم منتخب کر کے اپنی ڈائری میں لکھیں اور استاد/استانی کو دکھائیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) کسی اور شاعر کی مزاحیہ نظم لا کر طلبہ کو سنائیے۔

(۲) جماعت میں ایک مزاحیہ مشاعرہ طلبہ کے ذریعے منعقد کیجیے۔

میر تقی میرؔ

ولادت: ۱۷۲۳ء وفات: ۱۸۱۰ء

میر تقی میرؔ آگرے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد میر متقی ایک درویش صفت انسان تھے۔ میرؔ ابھی نوعمر ہی تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ روزگار کی تلاش میں دہلی آ گئے۔ یہاں سراج الدین آرزوؔ کے شاگرد ہو گئے۔ دہلی کے حالات جب بہت خراب ہوگئے تو لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ کے پاس آئے۔ انھوں نے میرؔ کی بڑی قدر کی اور وظیفہ مقرر کر دیا۔ میرؔ نے لکھنؤ ہی میں وفات پائی۔

کو خُدائے سخن کہا جاتا ہے۔ ان کی غزلوں میں انسانی جذبات، درد وغم، خودداری، توکّل، قناعت اور دنیا کی حقیقت پائی جاتی ہے۔ زبان صاف اور سادہ ہے۔ ان کے علمی سرمائے میں چھے دیوان، اردو شعرا کا ایک تذکرہ، متعدد مثنویاں اور مرثیے، ایک سوانح حیات اور ایک فارسی دیوان شامل ہیں۔ میر تقی میرؔ کا سارا کلام ''کُلیّاتِ میرؔ'' کی صورت میں موجود ہے۔ یہ غزل اِسی کُلیات سے لی گئی ہے۔

غزل

حاصلاتِ تعلّم: یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) مطلعے کی تعریف اور نشان دہی کر سکیں۔
(۲) غزل سے محظوظ ہو سکیں۔ (۳) نظم اور غزل کا فرق جان سکیں۔

فقیرانہ آئے صَدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

دِکھائی دیے یوں کہ بے خُود کیا
ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے

جَبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حقِ بَندگی ہم ادا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میؔر
جہاں میں تُم آئے تھے، کیا کر چلے؟

(ماخوذ از: کُلیاتِ میؔر)

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) غزل کے مطلعے کی وضاحت کیجیے۔

(ب) آپ کو اس غزل کا کون سا شعر زیادہ پسند ہے اور کیوں؟

(ج) درج ذیل الفاظ و مرکبات کے معنی لکھیے:

فقیرانہ-عہد- بے خود-جبیں-حقِ بندگی

(د) ساخت کے لحاظ سے غزل اور نظم کا فرق بتائیے۔

سوال۲: اِس غزل کے مصرعے ذہن میں رکھتے ہوئے کالم (الف) کے الفاظ کالم (ب) سے ملائیے:

(الف)	(ب)
دکھائی دیے یوں	کیا کر چلے
جہاں میں تم آئے تھے	ہم دُعا کر چلے
فقیرانہ آئے	کہ بے خود کیا
میاں خوش رہو	صدا کر چلے

سوال۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) اس غزل میں لفظ ''میاں'' استعمال ہوا ہے:

(۱) بزرگ کے لیے (۲) شوہر کے لیے (۳) ذات کے لیے (۴) بچّوں کے لیے

(ب) میؔر کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے:

(۱) سنجیدگی (۲) درد و غم (۳) مزاح (۴) شگفتگی

(ج) اس غزل میں شاعر نے بات کی ہے:

(۱) حقِ بندگی کی (۲) جبیں کی (۳) دعا کی (۴) وفا کی

(د) کسی ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند قرار دینا کہلاتا ہے:

(۱) مبالغہ (۲) کنایہ (۳) تشبیہ (۴) تلمیح

✽ غزل اور قصیدے کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں۔

سوال ۴: نصابی کتاب میں شامل غزلوں کے کوئی دو مطلع لکھیے جو آپ کو پسند ہوں۔

(۱) طلبہ انٹرنیٹ کی مدد سے میرؔ کا کلام تلاش کریں۔

(۲) طلبہ میرؔ کے پانچ مطلعوں اور پانچ مقطعوں پر مشتمل چارٹ تیار کریں۔

(۳) طلبہ میر تقی میرؔ کی تصویر اُن کے ایک شعر کے ساتھ کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

✽ غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی حسن وعشق کی باتیں کرنا ہے۔ عورتوں سے باتیں کرنا ہے۔ یہ ایسی صنفِ سخن ہے جو مخصوص عناصرِ ترکیبی پر مشتمل مخصوص ہیئت رکھتی ہے۔ اس کے ہر شعر میں ایک مکمل مفہوم ادا ہوتا ہے پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اسے مطلع کہتے ہیں۔ مطلع کے سوا باقی اشعار میں ہر دوسرے مصرعے میں قافیہ ہونا ضروری ہے۔ ردیف غزل کے لیے ضروری نہیں۔ غزل کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں۔ بہ شرطیکہ شاعر نے اس میں اپنا تخلص بھی نظم کیا ہو۔ غزل کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ اس میں ہر قسم کے مضامین بیان کیے جاسکتے ہیں۔

✽ نظم تسلسل پر مبنی اشعار کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جس میں ایک مرکزی خیال ہو اس کے لیے کسی موضوع کی قید نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی ہیئت متعیّن ہے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) کلامِ میرؔ کی تلاش میں طلبہ کی مدد کیجیے۔ (۲) حیاتِ میرؔ کے چند دل چسپ پہلوؤں سے طلبہ کو آگاہ کیجیے۔ (۳) طلبہ کو صنفِ غزل کی اہمیت بتائیے۔ (۴) طلبہ کو بتائیے کہ میرؔ کو خدائے سخن کیوں کہا جاتا ہے۔

خواجہ حیدر علی آتشؔ

ولادت: ۱۷۶۴ء وفات: ۱۸۴۷ء

خواجہ حیدر علی آتشؔ، خواجہ علی بخش کے بیٹے تھے، دلّی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ نواب شجاع الدّولہ کے عہد میں دلّی سے فیض آباد میں آرہے۔ کم سنی میں والد کا انتقال ہوگیا۔ کوئی سرپرست نہ تھا۔ مالی حالت بہت خراب تھی۔ اس لیے نواب مرزا احمد تقی کی ملازمت اختیار کرلی۔ آپ اُن کے ہم راہ لکھنؤ آگئے۔ شاعری میں مصحفی کے شاگرد بن گئے۔ بادشاہوں کے دربار میں نہیں گئے، نہ کسی کا کوئی قصیدہ لکھا۔ تاہم بادشاہ از رہِ قدردانی اَسّی روپے ماہانہ انھیں پیش کرتا تھا۔ نہایت مُنکسر المِزاج اور خَلیق انسان تھے۔ ان کی شاعری میں زبان کا لُطف اور الفاظ کی چاشنی ہے۔

غزل

حاصلاتِ تعلّم: یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) کنائے کی تعریف بیان کرسکیں اور شعروں سے مثال دے سکیں۔ (۲) نئے الفاظ کے معنی لکھ سکیں۔

دَہَن پر ہیں اُن کے گُماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

زمینِ چمن گُل کِھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

نہ گورِ سکندر، نہ ہے قبرِ دارا
مِٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

غم و غصّہ و رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

کرے جس قدر شُکرِ نعمت وہ کم ہے
مزے لُوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

(ماخوذ از: دیوانِ آتش)

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) آتش کی غزل کا کون سا شعر آپ کو زیادہ پسند آیا؟ وجہ بھی بتائیے۔

(ب) اس غزل میں لفظ ''کیسے کیسے'' کن معنوں میں استعمال ہوا ہے؟

(ج) اس غزل میں استعمال ہونے والے محاورات لکھیے۔

(د) اس غزل میں صنعتِ تکرار کے لیے کون سے لفظ آئے ہیں؟

(ہ) اس غزل کے قافیے اور ردیف کے الفاظ کون سے ہیں؟

سوال۲: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) لفظ آتش کے لغوی معنی ہیں:

(۱) پیاسا (۲) تسلّی دینے والا (۳) پجاری (۴) آگ

(ب) پہلے شعر میں لفظ ''کلام'' کے معنی ہیں:

(۱) پیغام (۲) شعر (۳) خیال (۴) گفتگو

(ج) لفظ ''گُل کِھلانا'' قواعد کے لحاظ سے ہے:

(۱) اسمِ صفت (۲) مرکبِ اضافی (۳) مرکبِ عطفی (۴) محاورہ

(د) لفظ اندوہ کے معنی ہیں:

(۱) شکر (۲) قدر (۳) خوشی (۴) غم

سوال۳: خالی جگہوں کو درست لفظ سے پُر کیجیے:

(الف) نہ گورِ سکندر نہ ہے.......... دارا

(ب) زمینِ چمن.......... کِھلاتی ہے کیا کیا

(ج) کلام آتے ہیں.......... کیسے کیسے

(د) کرے جس قدر.......... نعمت وہ کم ہے

سوال۴: درج ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:

دہن — گور — گماں — حِرماں — رنج

✵ یہ شعر غور سے پڑھیے:

؎ زمینِ چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا ——— بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اس کے دوسرے مصرعے میں آسمان کا رنگ بدلنا لکھا ہے، جو کہ حقیقت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد زمانے کی گردش ہے جس کے یہ معنی لیے جائیں گے کہ قسمت میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ اس طرح بات کرنے کو جس میں کہ حقیقت بیان نہ کی جائے اور اس کے بدلے اشارے میں بات کی جائے، ادب میں ''کنایہ'' کہتے ہیں۔ ایک اور مثال دیکھیے:

؎ دل زمانے کے ہاتھ سے سالم ——— کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا

اس شعر میں زمانے سے مراد اہلِ دنیا ہیں۔ یعنی دنیا والے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی دُکھ دیتے ہی ہیں۔ یہ بھی کنایہ ہے۔

سوال۵: آپ اس طرح کے تین شعر تلاش کیجیے جن میں اصل یا حقیقی لفظ استعمال کرنے کے بدلے کنائے میں بات کی گئی ہو۔

سرگرمیاں

(۱) طلبہ لائبریری سے مختلف شعرا کے دیوان لے کر اس طرح کے شعر تلاش کر کے لکھیں، جن میں کنایہ پایا جاتا ہے۔

(۲) طلبہ آتش کی کوئی ایک غزل زبانی یاد کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو مختلف شعرا کے دیوان دے کر انھیں اشعار میں کنایہ تلاش کرنے میں مدد کیجیے۔ (۲) آپ خود بھی ایسے شعر تلاش کر کے طلبہ کو سنائیے اور سمجھائیے۔

مرزا غالبؔ

(بہ حیثیت شاعر)

ولادت: ۱۷۹۷ء وفات: ۱۸۶۹ء

نام مرزا محمد اسد اللہ بیگ خان آگرہ (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ غالبؔ تخلص اور ''مرزا نوشہ'' عرفیت تھی۔ غالبؔ سے پہلے اردو غزل پرانے انداز و خیالات کی حامل تھی لیکن آپ نے فلسفہ، سیاست، معاش اور معاشرت جیسے موضوعات کو نئے انداز سے پیش کیا۔ ندرتِ بیان، تنوّع اور رفعتِ خیال اُن کی شاعری کا خاصّہ ہے۔ آپ کی دیگر کتابوں کے علاوہ دیوانِ غالبؔ اور کُلیاتِ غالبؔ (فارسی) بہت مشہور ہیں۔

غالبؔ کو آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ نے اپنا استاد مقرر کیا اور ''دبیرُ الملک''، نِظام جنگ، نجمُ الدولہ'' کے خِطابات دیے۔

غزل

حاصلاتِ تعلّم: یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) مقطعے کی تعریف کر سکیں اور فرق کر سکیں۔
(۲) لقب، عرفیت اور خطاب میں فرق کر سکیں۔ (۳) الفاظ و تراکیب کا مفہوم بیان کر سکیں۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ ''تُو کیا ہے''؟
تُمھی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

چپک رہا ہے بدَن پر لہُو سے پیراہن
ہماری جیب کو اب حاجتِ رَفُو کیا ہے؟

جَلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کُریدتے ہو جو اَب راکھ جستجُو کیا ہے؟

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہُو کیا ہے؟

رہی نہ طاقتِ گفتار، اور اگر ہو بھی
تو کس اُمید پہ کہیے کہ آرزُو کیا ہے؟

ہُوا ہے شہ کا مصاحب، پھرے ہے اِتراتا
وَگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبرُو کیا ہے؟

(ماخوذ از: ''دیوانِ غالبؔ'')

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) مقطعے میں ''شہ کا مصاحب'' کہہ کر کسے طنز کا نشانہ بنایا گیا ہے؟

(ب) اِس غزل میں کون کون سے قوافی استعمال ہوئے ہیں؟ ردیف کی نشان دہی بھی کیجیے۔

(ج) کلامِ غالبؔ کی پانچ نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔

(د) غزل کے پہلے اور چوتھے شعر کی وضاحت کیجیے۔

(ہ) درج ذیل الفاظ و تراکیب کے معنی لکھیے:

پیراہن-حاجتِ رفو-مصاحب-قائل-طاقتِ گفتار-جستجو

سوال۲: درج ذیل بیانات میں سے درست بیان پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) غزل میں مطلع نہیں ہوتا۔ ( )

(ب) مطلع کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ضروری ہے۔ ( )

(ج) قافیے سے پہلے آنے والے الفاظ کو ردیف کہتے ہیں۔ ( )

(د) ایک بند میں دو مصرعے ہوتے ہیں۔ ( )

(ہ) جس شعر میں شاعر کا نام یا تخلّص ہو، مطلع کہلاتا ہے۔ ( )

سوال۳: درج ذیل درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) اس غزل کے مقطعے میں موجود ہے شاعر کا:

(۱) خطاب (۲) نام (۳) تخلّص (۴) لقب

(ب) اس غزل میں لفظ ''پیراہن'' کا مطلب ہے:

(۱) لباس (۲) بستر (۳) لہو (۴) راکھ

(ج) حروف و حرکات کا مجموعہ جو شعر میں ردیف سے پہلے آئے، کہلاتا ہے:

(۱) تخلّص (۲) قافیہ (۳) مطلع (۴) مقطع

(د) اس غزل کی ردیف ہے:

(۱) پیراہن (۲) گفتگو (۳) کیا ہے (۴) قائل

✲ آپ میر تقی میرؔ اور غالبؔ کی غزلوں کے آخری اشعار دیکھیے:

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

ہُوا ہے شہ کا مصاحب، پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالبؔ کی آبُرو کیا ہے

غزل کے آخری شعر میں شعرا اپنا تخلّص استعمال کرتے ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ اِن دونوں شعروں میں میرؔ اور غالبؔ نے اپنا تخلّص استعمال کیا ہے۔ غزل کے آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں۔
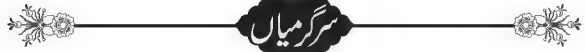
(۱) طلبہ غالبؔ کی تصویر اُن کی کسی غزل کے مقطعے کے ساتھ کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

(۲) طلبہ غالبؔ کی کوئی پسندیدہ غزل انٹرنیٹ یا کسی کتاب سے تلاش کر کے لکھیں۔

(۳) ہر طالبِ علم غالبؔ کے کم از کم دو شعر یاد کر کے سنائے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو غالبؔ کے مزید اشعار سنائیے۔ (۲) غالبؔ کی غزل میں موجود زبان و بیان کی خوبیوں سے طلبہ کو آگاہ کیجیے۔ (۳) خطاب، عرفیت اور لقب کے بارے میں بچّوں کو بتائیے۔

بہادر شاہ ظفرؔ

ولادت: ۱۷۷۵ء وفات: ۱۸۶۲ء

بہادر شاہ ظفرؔ آخری مغل بادشاہ، دہلی (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ اُن کا پورا نام ابوظفر نصر الدین صدیقی محمد بہادر شاہ ظفرؔ تھا۔ آپ کے والد کا نام اکبر شاہ ثانی تھا۔ اُن کا تعلق شاہی مغل خاندان سے تھا۔ بہادر شاہ ظفرؔ کا شمار اعلیٰ پائے کے شعرا میں ہوتا ہے۔ شاعری میں ان کے پہلے استاد ''ذوقؔ'' تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد غالبؔ کو استاد بنایا۔ آپ کی شاعری میں درد اور تکلیف کے احساسات نظر آتے ہیں۔ انگریزوں نے آپ کو ۱۸۵۷ء میں گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا۔ وہیں قید میں ۸۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہیں۔ اُن کے شعری سرمائے میں ''دیوانِ ظفرؔ'' اور ''کلیاتِ ظفرؔ'' شامل ہیں۔ یہ غزل بھی اِسی دیوان سے لی گئی ہے۔

غزل
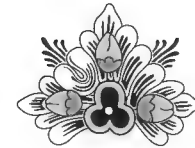
حاصلاتِ تعلّم: یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) اسمِ مصغّر اور اسمِ مکبّر کو پہچان سکیں۔ (۲) ذومعنین الفاظ کا استعمال کر سکیں۔ (۳) تاریخ کے بارے میں جان سکیں۔ (۴) کسی فن پارے کی فنی و فکری خوبیوں اور نقائص (حسن و قبح) کے پیشِ نظر تشریح کر سکیں۔

لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے دَیار میں
کس کی بَنی ہے عالَمِ ناپائدار میں

کہہ دو ان حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دلِ داغ دار میں

کانٹوں کو مت نِکال چَمن سے او باغ باں
یہ بھی گُلوں کے ساتھ پلے ہیں بہار میں

بُلبل کو باغ باں سے نہ صَیّاد سے گِلہ
قِسمت میں قید لکھّی تھی فصلِ بہار میں

کتنا ہے بَدنصیب ظفؔر دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی کُوئے یار میں

(ماخوذ از: ''دیوانِ ظفؔر'')

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اس غزل کے تیسرے اور پانچویں شعر کی تشریح کیجیے:

(ب) آخری مغل بادشاہ کون تھا؟

(ج) اس غزل میں شاعر نے ''بلبل'' کسے کہا ہے؟

(د) شاعر نے قید کی کیا کیفیت بیان کی ہے؟ وضاحت کیجیے۔

(ہ) اس غزل میں شاعر نے کانٹوں سے کس کو تشبیہ دی ہے؟

سوال۲: خالی جگہوں میں مناسب الفاظ لکھ کر مصرعے مکمل کیجیے:

(الف) لگتا نہیں ہے جی مرا اُجڑے.................. میں۔

(ب) اتنی جگہ کہاں.................. داغ دار میں

(ج) قسمت میں.................. لکھی تھی فصلِ بہار میں

(د) دو.................. زمین بھی نہ ملی کُوئے یار میں

❁ اردو میں کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کی آوازیں ایک جیسی ہیں، مگر اِملا میں اور معانی کے اعتبار سے الگ ہوتے ہیں۔ جیسے کہ:

سدا–صدا، عام–آم، صورت–سورت

سوال۳: آپ ایسے کوئی بھی پانچ الفاظ اپنی کاپی میں تحریر کیجیے۔

❁ ان جملوں کو پڑھیے:

۱- لکڑ ہارے نے بڑے بڑے لکڑ، کلھاڑے سے پھاڑ کر ایندھن کے لیے خاصی مقدار میں لکڑی جمع کر دی۔

۲- محفل میں بلوچ قوم کے سردار بڑے بڑے پگّڑ سر پر باندھے ہوئے تھے جب کہ عام بلوچ بھی پگڑی کے بغیر نہیں تھے۔

مندرجہ بالا جملوں میں آپ نے دیکھا کہ لکڑ اور پگڑ، بڑی اور لکڑی اور پگڑی کے لفظ چھوٹی چیزوں کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔قواعد میں بڑی جسامت ظاہر کرنے والے لفظ کو اسم مکبّر اور چھوٹی جسامت ظاہر کرنے والے لفظ کو اسم مصغّر کہتے ہیں۔

سوال۴: مندرجہ ذیل الفاظ میں مُصَغّر اور مُکَبّر اسماء الگ الگ کر کے لکھیے:

صندوقچی-صندوق　　کلھاڑا-کلھاڑی　　چمٹا-چمٹی

دیگ-دیگچی　　کڑاہ-کڑاہی　　سیّارہ-سیّارچہ

ان لفظوں کو غور سے پڑھیے:

(۱) اجڑے دیار-عالم ناپائدار　　(۲) جا بسیں-اتنی جگہ

(۳) دفن-زمین　　(۴) بلبل، صیّاد، قید

آپ نے دیکھا کہ ان لفظوں میں سے کچھ لفظ ایک دوسرے سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق رکھتے ہیں۔مثلاً: ''اجڑے دیار'' کا معنٰی کے لحاظ سے تعلق ''جا بسیں'' سے ہے۔ ایسے تعلق والے لفظوں کے استعمال کو رعایت لفظی کہتے ہیں۔

سوال۵: درج ذیل لفظوں کے رعایت لفظی کے لحاظ سے جوڑے بنائیے:

ہونٹ-خوش بو-راہ-تھک ہار کے-گل-نام-غنچہ-ہم سفر-جذبہ ناکام-کانٹا

سوال۶: درست بیان پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) یہ غزل بہادر شاہ ظفؔر کی ہے۔　( )　( )

(ب) دو گز زمین مل گئی کوئے یار میں۔　( )　( )

(ج) بلبل کو باغباں سے نہ صیّاد سے گلہ ہے۔　( )　( )

(د) لگ گیا دل مرا اُجڑے دیار میں۔　( )　( )

(ہ) قسمت میں آزادی لکھی تھی فصلِ بہار میں۔　( )　( )

✲ ان لفظوں کو غور سے پڑھیے:

کہاں-جی-بنی-عالم

یہ الفاظ اس غزل میں جن معنوں میں استعمال ہوئے ہیں، ان کے علاوہ ان لفظوں کو اور معنی بھی ہیں۔یعنی کہاں (سوالیہ) جی (اقراریہ) بنی (بہ طور تعمیر) اور عالم (کیفیت) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ایسے لفظوں کو ذو معنین کہتے ہیں

سوال نمبر۷: نصابی کتاب میں سے کوئی پانچ ذو معنین الفاظ تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیے۔

(۱) یہ غزل پڑھ کر آپ کے ذہن میں کیا تاثر آتا ہے؟ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

(۲) آخری مغل بادشاہ پر ایک مختصر نوٹ اپنی کاپی میں لکھیے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفؔر کی جنگِ آزادی کے بارے میں بتائیے۔

(۲) اس غزل کا پس منظر طلبہ کو سمجھائیے کہ یہ غزل دورانِ قید شاعر نے لکھی اور قید کی تکلیف کیا ہوتی ہے؟ نیز آزادی کتنی بڑی نعمت ہے، اہمیت بتائیے۔

حسرتؔ موہانی

ولادت: ۱۸۷۵ء وفات: ۱۹۵۱ء

نام سیّد فضل الحسن، والد کا نام سیّد اظہر حسن تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت امام علی موسیٰ کاظمؒ سے ملتا ہے۔ مُوہان (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ میٹرک وہیں سے کیا۔ پھر بی۔ اے، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے کیا۔ تحریکِ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس لیے باغی قرار دیے گئے اور کئی بار جیل بھی جانا پڑا۔ آپ حق گو، بے باک اور درویش مزاج انسان تھے۔ سیاست میں حصہ لینے کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کی خدمت بھی کی۔ آپ کا انتقال لکھنؤ میں ہوا۔

حسرتؔ موہانی جدید اندازِ غزل کے شاعر تھے۔ صنفِ غزل کے حوالے سے اُن کی شان دار خدمات کے سبب انھیں رئیس المُتغزّلین کہا جاتا ہے۔ آپ نے ایک رسالہ ''اردوئے مُعلّیٰ'' جاری کیا۔ آپ کا کلام کلیاتِ حسرتؔ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ''نِکاتِ سخن'' آپ کی مشہور کتاب ہے۔

غزل
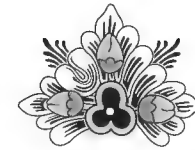
حاصلاتِ تعلّم: یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) نئے الفاظ و مرکبات کے معنی لکھ سکیں۔ (۲) نئے الفاظ کی جمع لکھ سکیں۔ (۳) اشعار کی تشریح کر سکیں۔

دعا میں ذکر کیوں ہو مُدَّعا کا
کہ یہ شیوہ نہیں اہلِ رِضا کا

طَلب میری بہت کچھ ہے مگر کیا
کَرم تیرا ہے اِک دریا عطا کا

نِثار اُن پر ہوئے اچھّے رہے ہم
تقاضا تھا یہی خُوئے وفا کا

گنہ گارو! چلو، عَفوِ الٰہی
بہت مشتاق ہے عرضِ خطا کا

جفا کو بھی وفا سمجھو کہ حسرتؔ
تمھیں حق اُن سے کیا چُون و چِرا کا

(ماخوذ از: کُلیاتِ حسرتؔ)

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے:

دعا میں ذکر کیوں ہو مدّعا کا — کہ یہ شیوہ نہیں اہلِ رضا کا

گنہ گارو! چلو، عفوِ الٰہی — بہت مشتاق ہے عرضِ خطا کا

(ب) قافیے کی تعریف کیجیے اور ذیل کے اشعار میں قوافی کی نشان دہی کیجیے:

نثار اُن پر ہوئے اچھے رہے ہم — تقاضا تھا یہی خُوئے وفا کا

جفا کو بھی وفا سمجھو کہ حسرتؔ — تمھیں حق اُن سے کیا چُون وچِرا کا

(ج) اس غزل کی ردیف لکھیے۔

(د) درج ذیل الفاظ و مرکبات کے معنی لکھیے:

خوئے وفا - جَفا - عفوِ الٰہی - چُوں و چِرا - تقاضا

(ہ) درج ذیل الفاظ کی جمع لکھیے:

دعا-شیوہ-مشتاق-عطا-خطا

سوال ۲: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) اس غزل کے شاعر کا نام ہے:

(۱) حسرتؔ (۲) چراغ الحسن

(۳) تفضّل الحسن (۴) سیّد فضل الحسن

(ب) غزل میں قافیہ ہمیشہ آتا ہے:

(۱) ردیف کے بعد (۲) ردیف سے پہلے

(۳) آخری شعر میں (۴) مقطع میں

(ج) مطلع کہتے ہیں غزل کے:

(۱) آخری شعر کو (۲) ہر شعر کو

(۳) درمیانی شعر کو (۴) پہلے شعر کو

(د) ''اہلِ رضا'' کا مطلب ہے:

(۱) اللہ جن سے راضی ہو گیا (۲) جو اللہ سے راضی ہو گئے

(۳) رضا کار لوگ (۴) جو لوگوں کو راضی کرتے ہیں

(ہ) تیرا کرم عطا کا ہے:

(۱) چمن (۲) دریا

(۳) موسم (۴) پھول

سوال ۳: کالم (الف) کے الفاظ کو کالم (ب) کے لفظوں سے ملائیے:

(الف)	(ب)
مُدّعا	خواہش مند
طلب	خواہش
عطا	قربان
نثار	بخشش
مشتاق	مقصد

سوال ۴: اس غزل کے قافیے کے ہم آواز دس الفاظ لکھیے۔
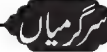
(۱) طلبہ اپنے پانچ گروپ بنائیں اور ہر گروپ ایک ایک شعر کی تشریح لکھ کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کرے۔

(۲) ہر طالبِ علم اپنی پسند کا ایک ایک شعر خوش خط لکھ کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کرے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کے خوش خط لکھے ہوئے اشعار میں سب سے خوش خط لکھنے والے طالبِ علم کو انعام دیجیے۔ (۲) حسرت موہانی کے دیوان سے کوئی اور غزل لا کر طلبہ کو سنائیے۔

جگر مرادآبادی

ولادت: ۱۸۹۰ء وفات: ۱۹۶۰ء

آپ کا پورا نام علی سکندر اور جگر تخلص تھا۔ والد کا نام مولوی علی نظر تھا۔ مرادآباد (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کو مغل بادشاہوں کے زمانے میں عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کے والد بھی ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ اس لیے شاعری کا ذوق وشوق والد ہی سے ملا۔ شروع میں والد سے اصلاح لیتے رہے مگر بعد میں داغ دہلوی اور تسیم لکھنوی جیسے بڑے شاعروں کے باقاعدہ شاگرد بنے۔

جگر اردو زبان کے ایک اہم شاعر تھے۔ آپ کی زبان سادہ اور اندازِ بیان میں ایک نیا پن ہے۔ آپ کی شاعری کا ایک خاص رنگ ہے۔ تصوّف، اخلاق اور سیاسی شعور بلند درجے پر ہے۔ کلام نہایت پاکیزہ، شائستہ اور پُر لطف ہے۔ ”داغِ جگر، شعلۂ طور اور آتشِ گُل“ آپ کے شعری مجموعے ہیں۔

غزل

حاصلاتِ تعلّم : یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) مجازِ مرسل کی تعریف بیان کر سکیں۔
(۲) غزل سے لطف اندوز ہو سکیں۔

جب تک انساں پاک طِینَت ہی نہیں
عِلم و حِکمت، عِلم و حِکمت ہی نہیں

وہ محبت، وہ عداوت ہی نہیں
زندگی میں اب صداقَت ہی نہیں

سینۂ آہن بھی تھا جس سے گُداز
اب دلوں میں وہ حرارت ہی نہیں

آدمی کے پاس سب کچھ ہے، مگر
ایک تنہا آدمِیَّت ہی نہیں

صِرف نقّالی ہے مغرب کی جگرؔ
شعر میں جب مَشرِقِیَّت ہی نہیں

(ماخوذ از: ''کُلیاتِ جگرؔ'')

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) غزل کے چوتھے شعر میں کیا بات کہی گئی ہے؟

(ب) علم و حکمت کس وجہ سے اب علم و حکمت نہیں رہے ہیں؟

(ج) اس غزل میں ''ہی نہیں'' کیا ہے؟

(د) اس غزل کے مقطعے میں شاعر کا تخلّص کیا ہے؟

(ہ) غزل کے دوسرے شعر کی وضاحت کیجیے۔

سوال۲: خالی جگہوں میں درست لفظ لکھیے:

(الف) وہ محبت وہ .... ہی نہیں

(ب) صرف نقّالی ہے .... کی جگرؔ

(ج) سینۂ .... بھی تھا جس سے گُداز

سوال۴: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) علم و حکمت کے لیے انسان کو ہونا چاہیے:

(۱) پاک طبیعت (۲) پاک حکمت (۳) پاک طینت (۴) پاک صورت

(ب) غزل کے مطابق زندگی کے لیے ضروری ہے:

(۱) حرارت (۲) آدمیت (۳) حکمت (۴) صداقت

(ج) اس غزل کی ردیف ہے:

(۱) عزت (۲) ہی نہیں (۳) کبھی نہیں (۴) حرارت

(د) اس غزل میں شعر ہیں:

(۱) دو (۲) تین (۳) چار (۴) پانچ

(ہ) اس غزل میں مصرعوں کی تعداد ہے:

(۱) چھے (۲) آٹھ (۳) دس (۴) بارہ

✿ آپ جگر مرادآبادی کا یہ شعر پڑھیے:

سینۂ آہن بھی تھا جس سے گُداز — اب دلوں میں وہ حرارت ہی نہیں

(اس شعر میں حضرت عمر رضہ کے سخت دل سینے یعنی دل کی طرف اشارہ ہے کہ جب آپؓ قبل از قبولِ اسلام رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی طرف غلط ارادے سے جا رہے تھے کہ راستے میں اپنی بہن کے گھر جاتے ہیں اور قرآن پاک کی آیت سُن کر ان کا دل نرم پڑ جاتا ہے اور حضور پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لے آتے ہیں۔)

اس شعر میں آپؓ کے سینے کو دل کہا گیا ہے۔ کیونکہ اگر کُل کہہ کر جزو مراد لی جائے تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔

سوال۵: آپ اپنی کتاب میں شامل غزلوں میں سے مجاز مرسل تلاش کیجیے۔

سرگرمی

طلبہ غزل کے تمام قافیے خوش خط لکھ کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو غزل اور نظم کا فرق واضح کر کے سمجھائیے۔

(۲) مزید چند مثالیں دے کر طلبہ کے ذہن میں مجاز مرسل کا تصور واضح اور پختہ کیجیے۔

آداؔ جعفری

ولادت: ۱۹۲۴ء وفات: ۲۰۱۵ء

آداؔ جعفری کا اصل نام عزیز جہاں تھا۔ بدایوں (ہندوستان) میں پیدا ہوئیں۔ آپ نے بارہ سال کی عمر سے آداؔ بدایونی کے نام سے شاعری شروع کی۔ نورالحسن جعفری سے شادی کرنے کے بعد اپنا قلمی نام آداؔ جعفری رکھ لیا۔

اخترؔ شیرانی سے شاعری میں اصلاح لی۔ نظم ونثر دونوں صِنفوں میں اظہارِ خیال کیا مگر شاعری وجہِ شہرت بنی۔ انھوں نے آزاد نظمیں بھی کہیں اور جاپانی صنفِ سخن ہائیکو میں بھی نام کمایا، مگر وجہِ کمال غزل ہے۔ آپ نے متعدد قومی و بین الاقوامی اعزازات وتمغات حاصل کیے، جن میں قومی تمغا برائے حسنِ کارکردگی بھی شامل ہے۔ آپ کا ادبی سرمایہ ''میں ساز ڈھونڈتی رہی ، غزل نما ، سازِ سخن بہانہ ہے ، حرفِ شناسائی ، غزالاں تم تو واقف ہو ، شہرِ درد ، سفر باقی اور موسم موسم'' جیسے مشہور شعری مجموعے ہیں۔ آپ کا انتقال کراچی میں ہوا۔

غزل

حاصلاتِ تعلّم: یہ غزل پڑھ کر طلبہ: (۱) غزل سے محظوظ ہو سکیں۔ (۲) اشعار میں متعدد عناصر کی نشان دہی کر سکیں۔ (۳) نئے الفاظ کے معنی لغت سے دیکھ کر لکھ سکیں۔

ہونٹوں پہ کبھی اُن کے مرا نام ہی آئے
آئے تو سہی، برسرِ اِلزام ہی آئے

حیران ہیں، لَب بَستہ ہیں، دل گیر ہیں غُنچے
خوش بو کی زبانی تِرا پیغام ہی آئے

کیا راہ بدلنے کا گِلہ ہم سَفَروں سے
جس رَہ سے چلے تیرے در و بام ہی آئے

تھک ہار کے بیٹھے ہیں سرِ کُوئے تمنّا
کام آئے تو پھر جذبۂ ناکام ہی آئے

باقی نہ رہے ساکھ اَدؔا دَشتِ جنُوں کی
دل میں اگر اندیشۂ انجام ہی آئے

(ماخوذ از: ''شہرِ درد'')

مشق

سوال۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ذیل کے الفاظ و تراکیب کا مفہوم بیان کیجیے:

حیران - لَب بستہ - دل گیر - غنچے - ہم سفر - پیغام
در و بام - ساکھ - دشتِ جنوں

(ب) ان اشعار کا مطلب بیان کیجیے:

ہونٹوں پہ کبھی اُن کے مرا نام ہی آئے
آئے تو سہی، برسرِ اِلزام ہی آئے

کیا راہ بدلنے کا گلہ ہم سفروں سے
جس رَہ سے چلے تیرے در و بام ہی آئے

(ج) اس نظم میں قافیہ، ردیف، تخلّص، مطلع اور مقطع کی نشان دہی کیجیے۔

(د) اس غزل کا کون سا شعر آپ کو زیادہ پسند آیا اور کیوں؟ وجہ لکھیے۔

سوال۲: درج ذیل جوابات میں سے درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) شاعرہ کے نزدیک اُس کا نام آئے:

(۱) کتاب میں (۲) ٹی وی پر
(۳) ہونٹوں پر (۴) اخبار میں

(ب) شاعرہ نے اپنے شعر میں گِلہ کیا ہے:

(۱) دنیا کے لوگوں سے (۲) دوستوں سے
(۳) شاعروں سے (۴) ہم سفروں سے

(ج) اس غزل کے مقطعے میں شاعرہ نے اپنا تخلّص استعمال کیا ہے:

(۱) انجام (۲) جنوں
(۳) ادا (۴) ساکھ

(د) اس غزل کی ردیف ہے:

(۱)نام (۲)آدا

(۳)در و بام (۴)ہی آئے

(ہ) خوش بو کی زبانی ترا:

(۱)انعام ہی آئے (۲)نام ہی آئے

(۳)پیغام ہی آئے (۴)پیام ہی آئے

سوال۳: درج ذیل الفاظ کی جمع لکھیے:

پیغام-جذبہ-الزام-انجام

طلبہ اس غزل کے قافیے کے مطابق پانچ نئے الفاظ ایک چارٹ پر لکھ کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

✽ ہائیکو، جاپانی صنف سخن سے اُردو شاعری میں آئی جو کہ تین مصرعوں کی نثری نظم ہوتی ہے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱)آدا جعفری کی ایک یا دو غزلیں لا کر طلبہ کو سنائیے۔(۲)اس غزل کے نئے الفاظ کے معنی طلبہ سے فرہنگ سے تلاش کرا کے لکھوائیے۔

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اعانت: مدد

اِذن مانگا: اجازت مانگی

اوصاف: خوبیاں (وصف کی جمع)

احکام: ہدایات (حکم کی جمع)

اظہارِ تشکر: شکریہ ادا کرنا

آں حضرت: حضور پاکؐ ''آں'' بہ طور تعظیم ہے۔

برا کلمہ: بری بات

بلند پایہ: اعلیٰ مقام

بینائی: نظر

بے باکی: بے خوفی

بہ نفسِ نفیس: بہ ذاتِ خود

باریابی: خدمت میں حاضری

پروَردَہ: پلا ہوا

پیش دستی: پہل کرنا

تنگ گیر: زیادتی یا سختی کرنے والا

تناول: کھانا کھانا

تصنیفی زندگی: زندگی کا وہ حصہ جس میں انسان لکھتا پڑھتا ہے

تنگ دل: برا ماننے والا

تنگ گیر: ستانے والا

تامّل: ہچکچاہٹ

تناول کرنا: کھانا کھانا

ٹوہ: کھوج، تلاش

خوش صحبت: وہ شخص جس کی باتوں میں جی لگے

خطاب: تعریفی لقب جو حکومت کسی شخص کو اس کی خدمت کے نتیجے میں عطا کرتی ہے

خندہ جبیں: ہنس مکھ

خاطر شکنی: دل توڑنا

درگزر: معاف کرنا

دریافت: پوچھنا

دستور: رواج

دفعتہً: اچانک

رضی اللہ تعالیٰ عنہا: اللہ اس سے راضی ہوا (خاتون)

راست گو: سیدھی سچی بات کہنے والا

رُخ پھیرنا: منھ موڑنا

زعفران: خوشبودار پتیاں

زوجیت: بیوی ہونا

سفارت: وفد

شمس العلماء: عالموں کا سورج

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اللہ تعالیٰ حضور پاکؐ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرمائے

صلۂ رحمی: ماں کے رشتے کی وجہ سے کسی سے نیک سلوک کرنا

ضیافت: دعوت، مہمان نوازی

عیب گیری: کسی کی برائی کرنا

قدم رنجہ: تشریف لانا

مرعوب: رعب میں آیا ہوا

مقروض: جس پر قرض ہو

ماخوذ: لیا گیا

نرم خو: نرم مزاج رحم والے

وقار و متانت: تہذیب، شان، سنجیدگی

ہم رکاب: سوار کے ساتھ سواری پر سوار ہونے والا

اُمید کی خوشی

آتشِ محبت کو بھڑکانا: محبت میں جوش پیدا کرنا

آثار الصنادید: پرانی عمارتوں کے نشانات

بے ریا: جس میں دکھاوا نہ ہو

بے یار و دیار: وطن سے دور اور بے سہارا

تقطیع: اجزا میں تقسیم کرنا

جواد الدولہ: دولت بخشنے والا

خوش آئند: اچھے مستقبل والا

خوش اَلحان: اچھی آواز والا، سُریلی آواز والا

ڈھیر: قبر کی معنی میں استعمال ہوا ہے

راگنیاں (راگ کی مؤنث): گیت، نغمے

سروکار: واسطہ

شاداب اور سرسبز: تازہ اور ہرا بھرا

غوں غاں: اسم صوت (دودھ پیتے بچے کی آواز)

کونپل: تازہ ننھا پودا (ننھی پتی)

کٹھن گھڑی: مشکل وقت

گہوارہ: بچے کے سلانے کا جھولا، پالنا

لحد: قبر

لوری: وہ سریلے بول جو ماں بچے کو سلانے کے لیے رات کو گا کر سناتی ہے

مہد: ماں کی گود

منصف: جج

مکتب: مدرسہ

نیز: بھی

قومی ہم دردی

اکتساب: کسب کرنا، سیکھنا

استحقاق: اخلاقی حق حاصل ہونا

اشتراک: شرکت، تعاون

آگاہی: معلومات، کسی بات کی خبر ہونا

پس: لہٰذا، اس لیے

پیاؤ بٹھانی: جانوروں کے پانی پینے کی جگہ

تخلص: شاعر کا ادبی نام جسے وہ شعر میں استعمال کرتا ہو

تا بہ مقدور: جہاں تک ممکن ہو

تا بہ مقدور: جہاں تک ممکن ہو

تن پروری: اپنے آپ کا پیٹ بھر لینا خود غرضی

ترغیب: رغبت، خواہش

تنزل: زوال (ترقی کی ضد)

جوش مارنا: اُبھرنا، باہر نکل آنا

جا بہ جا: ہر جگہ، جگہ جگہ پر، ہر مقام پر

چوکسی: چوکی داری، نگہبانی، نگرانی

خصلت: عادت

درہم برہم: تباہ و برباد کرنا

رگ و پے: نس اور پٹھا، مراد پورا جسم

عجائبات: حیرت میں ڈالنے والی چیزیں

غول: گروہ، جھنڈ

قدرتی خصلت: قدرتی عادت، فطری عادت

کھٹکا: خوف

مستحق: حق دار

مائل کرنا: توجہ دلانا، شوق دلانا

مدنظر: نظر میں رکھتے ہوئے

موضوعاتی مشاعرہ: وہ مشاعرے جن کا پہلے سے موضوع دیا جائے

منقطع: ختم ہونا

نوبت بہ نوبت: باری باری، ایک ایک کر کے

ہم جنس: ایک جیسے، ایک قسم کے، مراد انسان

رشتہ ناتا

امورات: معاملات (امور کی جمع)

بجالانی: کہنے کے مطابق کرنا، انجام دینا

باغ باغ ہونا: بہت خوش ہونا

بداقبال: بدنصیب

بہبود: ترقی

برخلافی کرنا: اختلاف کرنا، خلاف جانا

بہرہ یابی: خوش نصیبی

پیروی: کہنا ماننا

تنبیہ: نصیحت کرنا

تعظیم بجالانا: رتبے اور مرتبے کے مطابق عزت کرنا

چہ جائے کہ: بہ جائے اس کے

خردوں: چھوٹے (واحد خرد)

خودسر: ضدی، کہنا نہ ماننے والا

خفگی: ناراضگی، غصہ

خوشنودی: خوشی، رضامندی

ددھیال: دادا کا گھر

رعایت: لحاظ، خیال

سرکش: باغی، حکم نہ ماننے والا

شفقتِ بزرگانہ: بزرگوں کی محبت

صاحبِ اقبال: نصیب والا، خوش قسمت

صدمہ: دلی دکھ، رنج

غیر ذات: دوسری ذات والا

قرابت: خونی رشتہ

قانونِ ادب: ادب کا قانون، ادب کا تقاضہ

قصص: قصے کی جمع

فیضِ پرورش: پالنے کی برکت

منسلک: وابستہ ہونا

مثل: مانند، موافق

مقدم: لازم ہونا

معین: مقرر، مددگار

مثل: کہاوت، کہانی، مثال

نام وری: شہرت، عزت

نیستی: وجود نہ ہونا

ہستی: وجود، پیدائش

ناگزیر: لازمی

ننھیال: نانا کا گھر

نشست و برخاست: بیٹھنا اُٹھنا، مراد چلنے چانا

یگانگت: قریبی رشتہ داری، اتحاد

نظریۂ پاکستان

باہمی اتفاق: آپس کے مشورے سے

تقریب میں پڑہی جائے

ترویج: رواج، شہرت، اشاعت

تشکیل: مرتب کرنا

زَک: گھاٹا، شکست

سپاس نامہ: توصیفی استقبالیہ تقریر جو مہمان کے اعزاز میں منعقد ہونے والی تقریب میں پڑھی جائے

عملی جامہ پہنانا: کسی کام کو پورا کرنا

طرزِ معاشرت: رہنے کا طریقہ

فلاحی مملکت: کامیاب حکومت

کفر والحاد: لامذہبیت (اصولِ اسلام سے انکار)

قابض: روکنے، قبضہ کرنے والا

مستحکم: مضبوط، پائدار، پختہ

وُسعت: پھیلاؤ، کشادگی

اصغری نے لڑکیوں کا مکتب بٹھایا

استغفراللہ: میں اللہ سے معافی چاہتی/ چاہتا ہوں

املاک: ملکیت

اُفتاد: بنیاد، دکھ، مصیبت

استانی گیری: استانی بننا، پڑھانے کو پیشہ بنانا

افسر بندوبست: منیجر

آدمی بن جانا: مہذّب ہوجانا

بگھی: ایک خاص قسم کی گھوڑا گاڑی جس میں چار پہیے ہوتے ہیں

بعدازاں: اس کے بعد

بگاڑ: کسی چیز کو خراب کرنا، بگاڑنا

بہو: بیٹے کی بیوی

پالکی: ڈولی، ایک قسم کی سواری جسے دو افراد کاندھوں پر لے کر چلتے ہیں

تبرک: برکت کے لیے تقسیم کی جانے والی چیز

تحصیل دار: صوبے دار(S.H.O)

تعلیم کرانا: تعلیم دلانا

تصنیف: کتاب لکھنا

تالیف: کتاب کے لیے مواد جمع کرنا

حلقۂ درس: درس کی محفل

خوش گزراں: خوشی خوشی زندگی گزارنا

خوناخوں ہونا: خون میں بھرجانا

دُہائی دینا: فریاد کرنا، رورو کر شکایت کرنا

دریغ نہ کرنا: کوتاہی نہ کرنا، کمی نہ چھوڑنا

داروغہ: نگراں

ڈھنڈورا: منادی، اعلان کرنا

رنجیدہ خاطر: دکھا ہوا دل

سوزنی: روئی دار، بھرا بیل بوٹے والا کپڑا

دالان: بڑا اور لمبا کمرہ جس میں کئی در ہوں

سرکھسوٹ: سر کے بالوں کو نوچنا

شوخی: شرارت

شستہ تقریر: صاف اور عمدہ گفتگو

فردبشر: انسان، آدمی

قباحت: خرابی، برائی

قاب: تھالی

کوٹھا: اوپر کا کمرہ

کارخانے: گھریلو معاملات

گھر سر پر اُٹھانا: بہت شور غل مچانا، اودھم مچانا، ہنگامہ کرنا

لونڈیاں: غلام، نوکرانیاں

لٹو ہونا: عاشق ہونا، چاہنے لگنا

لِیر لِیر کرنا: ٹکڑے ٹکڑے کرنا، دھجیاں اُڑا دینا

مکتب بٹھانا: اسکول شروع یا قائم کرنا

منھ ہونا: حیثیت ہونا (محاورہ)

مقدوربھر: ذرہ برابر

مطلق: جو پابند نہ ہو، آزاد

مختارکل: مالک (عہدے کا نام)

میکا: ماں کا گھرانہ

میسر: سہولت حاصل ہونا

والی: حاکم، بادشاہ، مالک

بوڑھی کاکی

اُبل پڑنا: غصے کا اظہار کرنا

اشتہا: بُھوک

آنچ نہ آنا: نقصان سے محفوظ رکھنا

آگ کا کنڈ: آگ کا گڑھا

بھنڈارا: باورچی خانہ

بسورنا: رونی شکل بنانا

بے زبان: شکایت نہ کرنے والا، بے کس

بھسم ہوجانا: ختم ہونا، فنا ہونا

بھاٹ: گانا گانے والے

پتّل: بڑا سا تھال جس کو کھانے لگانے کے لیے استعمال کرتے ہیں

تِلک: ہندوؤں میں ٹیکا لگانے کی رسم جو بیٹے کو گدی نشیں کرانے کے لیے انجام دیتے ہیں

ٹھنڈائی: گرمی دور کرنے والی دوا

ٹھوسنا: بے تحاشا کھانا

جمِ غفیر: بھیڑ، رش

چشمِ خیال: تصور

چھاتی پر سوار ہونا: چڑھائی کردینا (محاورہ)

داغ دے جانا: دُکھ دے جانا

درگت: بری حالت

ڈھول مجیرا: بجائی جانے والی پیتل کی چھوٹی کٹوریاں

روکھا دانہ: معمولی غذا

رواں: جسم کے اوپر کا باریک بال

رقت آمیز: دُکھ بھرا

رغبت: چاہت، خواہش

سراسیمگی: ڈر، خوف

سبز باغ: دھوکا فریب دینا

طفلانہ: بچوں کی طرح

فاترالعقل: پاگل

کلیجا سُن ہونا: شدید صدمہ ہونا

کھلنا: برا لگنا

کڑاہ: کڑاہی کا اسمِ مکبّر

لذّت آمیز: لذّت بھرا، جس میں ذائقہ ہو

سُدھا: امرت، پھولوں کا رس، شہد

سیانا بادشاہ

آنکھ کا تارا: چہیتا، عزیز، پیارا

پایا: پلنگ کا پایا

چوپائے مال: گائے، بھینس، بھیڑ، بکری وغیرہ

روبرو: سامنے، موجودگی میں

زچ کرنا: بیزار کرنا

سکرات: موت کی سختی

گتھی سلجھانا: معمہ حل کرنا، پیچیدہ باتوں کا حل نکالنا

کھاٹ: چارپائی

قسمت کا فیصلہ کرنے کا عمل

قرعہ اندازی: پانسے یا پرچی کے ذریعے

شہید

آرائش: سجاوٹ، سنگھار

بہ دستور: پہلے کی طرح، مسلسل

رکھ رکھاؤ: تہذیب، تمیز

شفقت: محبت، ہم دردی

شرف: بلندی، مقام، عزت

شفق: سورج نکلتے یا ڈوبتے وقت آسمان پر نظر آنے والی سرخی

قوس وقزح: دھنک، بادلوں میں دکھائی دینے والے سات رنگوں کی کمان

گوندھنا: ملانا، ملا کر باندھنا

نام دیومالی

استعداد: فطری قابلیت، صلاحیت
افتاد: ناگہانی آفت، مصیبت
احاطے: چاردیواری
آفت ٹوٹ پڑنا: شدید مصیبت پڑنا
آخری آرام گاہ: قبر (مرنے کے بعد آخری جگہ)
بشاشت: تازگی وفرحت
بیسوں: بہت سے (محاورہ)
بساط: حیثیت، صلاحیت، اوقات
پھولتے پھلتے: بڑھتے ہوئے
پرکھنا: آزمانا
تفویض: سپردگی، حوالے کرنا
تلف: برباد
جھلڑ: جتھا، گروہ، جُھنڈ
جانچ پڑتال: پوچھ گچھ کرنا
چمن: باغ کا ایک ٹکڑا
درجۂ کمال: اعلیٰ مقام
ڈھوڈھو کر لانا: بھر بھر کر لانا

دُکھ: مصیبت
ستایش: تعریف وتوصیف
سیوا: خدمت
شاداب: سرسبز، ہرا بھرا
صلہ: اجر یا انعام
فیض: فائدہ
فائز: نافذ رہنے والا
قدردان: قدر کرنے والا
قلت: کمی
کارگزاری: کام انجام دینا
کھینچ تان کر: بڑی مشکل سے
گدلا: گادوالا، مٹی والا
مستعد: چاق وچوبند
ودیعت: اللہ کی عطا کردہ صلاحیت
ہزار جتن: ہزار طریقے
ہم عصر: ایک دور کے لوگ
ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے: کچھ نہ کرنا (محاورہ)
یورش: حملہ

ڈسٹرکٹ بورڈ کی ڈسپنسری

اصطبل: گھوڑوں کو باندھنے کی جگہ
اُکڑوں بیٹھنا: پیروں پر بیٹھنا
پرفضا: بارونق
تشخیص: مرض پہچاننا
ترجیح: اولیت دینا
حکمت: دانائی
چوکی دار: محافظ، نگہبان
خیر سگالی: بھلائی چاہنا
خیر سگالی: اچھے جذبات کا پیغام
خلل: رخنہ ڈالنا
خندہ پیشانی: مسکراتا ہوا چہرا
دورافتادہ: لمبے فاصلے پر موجود/ واقع
ڈاک بنگلا: سرکاری رہائش
روزافزوں: روزانہ بڑھنے والا

راز فاش کرنا: راز کھول دینا
رکابیاں: وہ برتن جس میں سالن نکالتے ہیں، پلیٹ
زاویے: کونے، گوشے
سرعت: تیزی، جلدی
سادہ لوحی: سادگی
ظروف: برتن (ظرف کی جمع)
فی البدیہہ: فوراً، ٹھہرے بغیر
موصول: وصول پایا
نسخے: وہ پرچہ جس میں مریض کے لیے دوائیں لکھی جاتی ہیں
وضع قطع: شکل وصورت
وضع داری: باوقار طریقے

اُونہہ

پٹاری: بید یا بانس کی بنی ہوئی چھوٹی
صندوقچی جس میں پان رکھتے ہوں

جان ہلکان ہونا: اپنے آپ کو تھکانا

حرج: نقصان

خاتمہ بالخیر: اچھا انجام

سلب ہونا: چھن جانا

سنجیدہ ظرافت: باوقار مزاح

صلاح کار: مشیر، مشورہ دینے والا

ماماؤں: کام کرنے والی عورتیں، ملازمہ

کچھ ورق تاریخ سے

اعزازات: اعزاز کی جمع

افلاطون: قدیم یونانی فلسفی کا نام، مراد
بہت سمجھ دار

ادوار: دور کی جمع

ارسطو: یونانی فلسفی

آثارِ قدیمہ: پرانے زمانے کی چیزیں

تمدّن: شہری بودوباش، سماجی زندگی

دستاویز: سرکاری ریکارڈ

سیاح: دنیا بھر کی سیر کرنے والا

طول البلد: زمین کے گرد شمال سے جنوب
کی طرف عمودی خطوط

ظروف سازی: مٹی یا دھات کے برتن
بنانا

عرض البلد: کسی مقام اور خط استوا کے
مابین فاصلے کے اُفقی خطوط

فلکیات: سیّاروں اور ستاروں کا علم

قابلِ دید: دیکھنے کے قابل، جنھیں شوق
اور دل چسپی سے دیکھا جائے

قلمی نسخے: ہاتھ کی لکھی ہوئی قدیم تحریریں

قبل مسیح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے

معروف: مشہور، پہچانا ہوا

مخطوطات: ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں

نقاشی: در و دیوار یا لکڑی وغیرہ پر بیل
بوٹے بنانے کا کام

نوادرات: قدیم نایاب اشیا

ہئیت: ستاروں کا علم

غالبؔ کے خطوط

اطراف و جوانب: اردگرد، ہر طرف، ہر
جانب

بخل: کنجوسی

بیرنگ: بغیر ٹکٹ کے

بھروسا: سہارا

تردّد: فکر، پریشانی

دارالسرور: خوشی کی جگہ

ڈاک منشی: ڈاک خانے کا افسر

سوت: پانی کی شاخ

عبث: بے کار، فضول

منا: راضی ہونا، مان جانا

مرغوب: پسندیدہ

وسواس: وسوسے کی جمع، شک، گمان

ہرکارہ: ملازم، نوکر

حمد

آئینِ ایجاد: بننے کا اصول، تخلیق کا قاعدہ

بن تیل: بغیر تیل کے

بہم: آپس میں

بیشی کمی: اضافہ اور کمی

تصور: دھیان، خیال

تقدیر: قدرت کے اصول، قسمت

سکت: طاقت

عالم: دنیا

کلیات: کل کی جمع

کھپت: استعمال میں آ جانا

کھیل: معمولی کام، آسان کام

کششِ باہمی: آپس میں جوڑے رکھنے کی طاقت

مجال: ہمت

نعت

آیۂ رحمت: اللہ کی رحمت کی نشانی

پیشہ: دن رات کا کام، ہر وقت کی مصروفیت

تارک: ترک کرنے/چھوڑ دینے والے

تصوف: وہ علم جس سے صفائی قلب حاصل ہو

سرور: سردار، بادشاہ

شافعِ محشر: روزِ حشر خدا کے حضور سفارش کرنے والے

فلسفہ: وہ علم جو اشیا کی ماہیت کے متعلق ہو

فقہ: آگہی، شرعی احکام کا علم

قاسمِ کوثر: حوضِ کوثر سے امتیوں کو پانی تقسیم کرنے والے

کانِ مروّت: بہت سخی، بہت فیاض

منطق: گویائی، بات چیت

مرسلِ داور: انصاف کرنے والے کا بھیجا ہوا

مونسِ آدم: انسانیت کا ہم دم

محامد: حمد کی جمع

مالکِ عقبیٰ: آخرت کے مختار

مملو: بھرا ہوا، لبریز

نیر: روشن کرنے والا

نیرِ اعظم: سب سے بڑا، روشن ستارہ

ورد: پڑھنا، بار بار دہرانا، ہر وقت کا عمل

ہم دم: رفیق، دوست

ہادی: ہدایت پہنچانے والے

برسات کا تماشا

اساڑھ: ہندی کلینڈر کا تیسرا مہینا، برسات کا مہینا

پپیہا: کویل جیسا خوش آواز پرندہ

تماشا: نظارہ، سرگرمی

جھڑی لگانا: مسلسل برسنا

چھوائے: چھپر ڈلوانا

خورشید: سورج

خاصے: ایک قسم کا مخصوص کھانا

رعد: بادل کی گرج

زر: پیسہ، دولت

قاصد: پیغام لانے لے جانے والا

کوہ ودشت: پہاڑ اور صحرا

کوکنا: کویل کا آواز نکالنا

کوکلا: ہدہد (پرندہ)

میگھ: گھٹا، بادل، بارش

نگر: بستی

دنیائے اسلام

اعرابی: عربی

ارزاں: سستا

امتیازِ رنگ وخوں: رنگت اور نسل کی بنیاد پر فرق کرنا

پنہاں: چھپا ہوا

حرم: مکہ، مدینہ

خرگاہی: بہت بڑا خیمہ

دانائے راز: مشکل باتوں کو سمجھ جانے والا، راز کا جاننے والا

ربط وضبط: رشتہ، تعلق، میل جول

سوز وساز: غم اور خوشی، دُکھ سُکھ

گاز: قینچی

کما حقہ: جو کہ اسکا حق ہے

کاشغر: چین کا شہر

ملّتِ بیضا: مسلمان

مقدّم: آگے، اوپر

ملت: پوری دنیا کے مسلمان

نیل: (مصر کا دریا) دریائے نیل

والا گہر: قیمتی موتی

سرراہِ شہادت

برسبیل: بہ راہ

پایاں: حد، انتہا

تبسم: مسکراہٹ

جلا پانا: چمک اُٹھنا

حسن نیت: ارادے کی نیکی

خجستہ فام: برکت والا، مبارک

روئے زیبا: حسین چہرہ

کندن: خالص سونا

رِقت: آنسو نکلنے کی کیفیت

صداقت: سچائی

مشیّت: اللہ کی مرضی

وفور: کثرت

گرمی کی شدّت

آفتاب: سورج

آبِ رواں: بہتا پانی، مراد دریا، نہر

آبلے: چھالے، پھپھولے کی کھال

آہو: ہرن

آب رواں: بہتا پانی

برگ وبار: پتے اور پھل

تاب وتب: شدید گرمی، حدت، گرمی

تپ: بخار (مراد شدید گرمی)

چنار: ایک بے ثمر درخت

حباب: بلبلے

حِدّت: گرمی، تپ

خس خانہ مژہ: آنکھوں کی پلکیں

دل سرد ہونا: ولولہ اور جوش ختم ہونا

زیست: زندگی، حیات

شاخِ باردار: شاخ جو پھل پھول سے لدی ہو، ہری بھری شاخ

عرق: پسینہ

کھولنا: پانی کا ابلنا

کانٹا ہونا: سوکھ جانا

کچھار: شیر کے رہنے کی جگہ

گُردوں: آسمان

لُو: شدید گرم ہوا

منظر نگاری: منظر کشی

مرثیہ نگاری: مرے ہوئے انسان کی یاد میں شعر کہنا

مردم: لوگ، انسان

مدقوق: وہ جسے دق کا مرض ہو گیا ہو (ٹی بی)

مکدر: میلا

نہرِ علقمہ: نہرِ فرات

نخل: کھجور کا درخت

جیوے جیوے پاکستان

پھلواری: پھولوں کی کیاری

پنکھ ہلانا: پر پھڑ پھڑانا، پرواز کرنا

جیوے: زندہ رہے

جُھرمٹ: ہجوم، بِھیڑ

جھیل گئے: برداشت کر گئے

سر بکھرانا: خوبصورت آوازیں بکھیرنا، گیت گانا

من پنچھی: دل

نیاری: سب سے الگ سونے چاندی کے ذرات ملی ہوئی مٹی (مراد وطن کی مٹی)

کرکٹ اور مشاعرہ

ایم (Aim): مقصد، ہدف

ابہام: واضح نہ ہونا

اَناڑی: ناتجربہ کار، بے سلیقہ

اہلِ نظر: بصیرت والے، عقل والے

بہ جائے خود: اپنی جگہ پر

ریاض: مسلسل مشق

دماغ چاٹتے: فضول باتیں

ستم ظریفیاں: طنز و مزاح کی باتیں

شعر گوئی: شعر کہنا

صدر نشیں: صدر یا بڑا بن کر بیٹھنے والا

مزاح نگار: مزاحیہ تحریر لکھنے والا

متشاعر: جھوٹا شاعر، نام نہاد شاعر

غزلِ میرؔ

بن: بغیر

بے خود کرنا: مدہوش، خود سے بے خبر ہو جانا

توکل: یقین

جبیں: پیشانی

خدائے سُخن: شاعری میں سب سے بلند مقام والا

درویش صفت: درویش جیسی خوبیوں والا

سوانح حیات: ساری زندگی کی کہانی

قناعت: تھوڑی چیز پر راضی ہونا

صدا کرنا: آواز لگانا

فقیرانہ: فقیر کی مانند

وفا: وعدہ پورا کرنے کا عمل

غزل آتش

اندوہ: ملال، رنج

ازرہ قدر دانی: قدر کرنے کی غرض سے

خلیق انسان: با اخلاق انسان

چاشنی: میٹھا پن

حرماں: دکھ، درد نا امیدی، محرومی

دہن: منھ

سر پرست: نگراں

گماں: شک، شبہ، اندیشہ ہونا

گورسکندر: سکندر بادشاہ کی قبر

قبر دارا: ایک بڑے حاکم دارا کی قبر

قصیدہ: وہ نظم جس میں تعریف کی گئی ہو (خصوصا بادشاہوں کی)

منکسر المزاج: عاجزانہ مزاج

مزے لوٹنا: مزے اڑانا (محاورہ)

غزلِ غالب

پیراہن: لباس

جیب: دامن

حاجتِ رفو: سلائی کی ضرورت

دبیر الملک: شاہی سیکریٹری (عہد مغلیہ کا ایک خطاب)

طاقتِ گفتار: بولنے کی طاقت

عفو: بخشش

مصاحب: ساتھی، دوست

مصاحب: ساتھی، ساتھ بیٹھنے والا

نجم الدولہ: حکومت کا ستارہ (انگریزوں کا سرکاری خطاب)

نظام جنگ: جنگ کا صلاح کار

غزل ظفر

اُجڑے دیار: ویران بستی

باغ بان: مالی

داغ دار: داغ والا، زخمی

دیوان: اشعار کو یکجا کرنا، شعری مجموعہ

صیّاد: شکاری

عالمِ ناپائدار: فانی دنیا

کُوئے یار: دوست کی گلی (مراد اپنے وطن میں)

گلہ: شکوہ، شکایت

غزلِ حسرت

اہلِ رضا: راضی رہنے والے

آبرو: عزت

تنوّع: قسم قسم کا ہونا

خُو: عادت

چون و چرا: سوال و جواب، بحث

حامل: بوجھ اُٹھانے والا

دل: کنایۃً خواہشیں، ارمان

رئیس المتغزلین: غزل خوانوں کے سردار

شیوہ: طور طریق، ڈھنگ، انداز

طَلَب: ضرورت

طاقت گفتار: بولنے کی طاقت

قائل: راضی ہونا

مدعا: مطلب، غرض

نِکاتِ سخن: شاعری کی باریکیاں

غزلِ جگر

آدمیت: انسانیت، عقل وشعور

بلند پایہ: اعلیٰ مقام

پاک طینت: نیک سیرت

شائستہ: لائق، مہذب

سینۂ آہن: لوہے کا سینہ (مراد سخت دل، سنگ دل)

گداز: نرم

نقالی: دوسروں کی نقل کرنا

غزلِ ادا جعفری

اندیشہ: خطرہ

اندیشہ انجام: نتیجے کی فکر، انجام کا ڈر

برسرِ الزام: الزام لگانے کی غرض سے

بربستہ: جسم سمیٹے ہوئے، بند

ساکھ: اعتبار، وقار

در وبام: گھر

دل گیر: رنجیدہ، مغموم

قلمی نام: وہ فرضی نام جو کوئی ادیب اپنی تصانیف میں اختیار کر لیتا ہے

ہائیکو: تین مصرعوں کی نظم (جاپانی شاعری)

کتابیات

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد دوم

مضامینِ سرسید

"کلیاتِ نثر حالی" جلد دُوم

مقالاتِ مولانا محمد حسین آزاد، جلد دُوم

مرأۃ العروس

"پریم چند کے منتخب افسانے"

لوک کہانیاں: حصّہ اوّل مترجم: ڈاکٹر سعدیہ نسیم آرا سرتاج

مٹی کا دِیا

"چند ہم عصر"

"شہاب نامہ"

"مجموعہ مرزا فرحت اللہ بیگ" جلد سوم، مضامین

"لندن اور کیمبرج"

"غالب کے خطوط"، خلیق انجم

"کُلیاتِ اسماعیل میرٹھی

"محامدِ خاتم النبیین" امیر مینائی

"کلیاتِ نظیر اکبر آبادی"

"کلیاتِ اقبال"

شاہ نامۂ اسلام

کُلیاتِ انیس

عالی جی کی نغمہ نگاری

کُلیاتِ دلاور فگار

کُلیاتِ میر

دیوان آتش

دیوانِ غالب

دیوانِ ظفر

کُلیاتِ حسرت

کُلیاتِ جگر

شہر درد

ختم شد